یا اللہ مدد

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اکابرین دیوبند بالخصوص ... حسین احمد مدنی کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر

بیاد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ

فیضان

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

92 اکتوبر 2018 — محرم الحرام/صفر الخیر ۱۴۴۰ھ

پناہ بخدا......! قرآن پاک پر اس قدر کھلا جھوٹ اور بہتان ...... غامدی صاحب پوری دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ: ''یہ اَب آخری زمانہ ہے، جس کے بارے میں 'قرآن' نے بتایا ہے کہ اِس میں حضرت نوح (علیہ السلام) کے تیسرے بیٹے یافث کی اَولاد کے پاس حکمرانی ہوگی۔''

نجانے وہ کون سا قرآن ہے جس میں غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ خرافات لکھی ہوئی ہیں...... ہمارے پاس جو تیس پاروں اور ایک سو چودہ سورتوں والا قرآن ہے اس میں تو الحمد سے والناس تک کسی جگہ ہمیں یہ سب لکھا نظر نہیں آیا...... اگر غامدی صاحب کے سیالکوٹ میں تصنیف کردہ 'اپنے' قرآن میں یہ بات کہیں لکھی ہوئی ہو تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے لیکن اگر بات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ مسلمانوں کے قرآن کی ہو رہی ہے تو کیا اس میں کسی بھی جگہ غامدی صاحب یا عمار خان ناصر صاحب سمیت اُن کا کوئی بھی شاگرد غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ باتیں دکھا سکتے ہیں؟

[اہل یورپ کی دنیا پر حکومت: خدائی فیصلہ یا غامدی خواہش؟:۳]

مظہریہ دارالمطالعہ 0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

ترتیب

وفیات

......شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم کے برادر صغیر رحمہ اللہ [بہاول پور]

......شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہم کے بھتیجے رحمہ اللہ [بہاول پور]

......حضرت مولانا فیض محمد رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ [بہاول پور]

......مولانا محمد صادق جمال پوری مدظلہ کے بہنوئی رحمہ اللہ [بہاول پور]

......مولانا نور حسین عارف مدظلہ کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ [گوجرنوالہ]

......مولانا سعید یوسف مدظلہ کے سسر سردار لعل حسین رحمہ اللہ [پلندری، آزاد کشمیر]

......ماہنامہ حق چار یار کے مدیر ماسٹر منظور حسین صاحب مدظلہ کی ہمشیرہ رحمہا اللہ [ساہیوال سرگودہا]

......مولانا حنظلہ ضمیر منہاس کے والد گرامی رحمہ اللہ [چکوال]

......مولانا قاری عبید اللہ عامر مدظلہ کے برادر صغیر رحمہ اللہ [گوجرانوالہ]

......حاجی شیر علی مرحوم کی بیٹی کے سسر حاجی کرم بخش مرحوم [کراچی]

......حکیم امانت اللہ مرحوم کی عزیزہ رحمہا اللہ

......جامعہ قاسمیہ کے طالب علم محمد امین و محمد اسماعیل کا بھتیجا رحمہ اللہ [ملتان]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔[ادارہ]

پیامِ صفدر　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مدیر مسئول کے قلم سے

اہلِ یورپ کی قیامت تک دنیا پر حکومت

خدائی فیصلہ......یا......غامدی خواہش

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد......! کچھ دن قبل کسی محترم دوست نے جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی سوال و جواب کی ایک مجلس کا اقتباس ارسال کر کے اس پر تبصرے کا حکم دیا، پوری گفتگو کو بغور سننے کے بعد بندہ کو جناب غامدی صاحب کی علی رؤس الاشہاد دروغ گوئی، بددیانتی اور کج فہمی پر بڑا تعجب ہوا......بہر حال! آج کی محفل جناب غامدی صاحب کی اس مجلس کے احوال اور اس پر تبصرے کے لیے خاص ہے، اللہ جل شانہ ہمیں حق کو سمجھنے، ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کا پرچار کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

محفل میں غامدی صاحب سے سوال کیا جاتا ہے کہ ''یورپ کی عیسائی قومیں گزشتہ تین سو سال سے برسرِ اقتدار ہیں، مسلمانوں کی باری کب آئے گی؟''

غامدی صاحب جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''مسلمان اپنی باری لے چکے ہیں، یہ میں محض تفننِ طبع کے طور پر نہیں کہہ رہا، قرآن مجید کہتا ہے: ''تلك الايام نداولها بين الناس. ''ہم اِس دنیا کے اقتدار کو اِسی طرح ایک لائن میں ایک کے بعد دوسری قوم کو دے رہے ہیں، اور یہ ایام اسی طرح الٹتے پلٹتے رہتے ہیں، بلکہ (قرآن) مزید یہ کہتا ہے کہ: دنیا کی قوموں کو ایک لائن میں رکھ کر ہم ایک کے بعد دوسری قوم کو اِس اَسٹیج پر لا رہے ہیں۔ یہ اَب آخری زمانہ ہے، جس کے بارے میں قرآن نے بتایا ہے کہ اِس میں حضرت نوح (علیہ السلام) کے تیسرے بیٹے یافث کی اَولاد کے پاس حکمرانی ہوگی۔''

تبصرہ: پناہ بخدا......! قرآن پاک پر اس قدر کھلا جھوٹ اور بہتان شاید یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی نہ باندھا ہوگا اور قرآن کے معنی میں ایسی کھلی تحریف کی شاید سکھوں کو بھی کبھی جرأت نہ ہوئی ہوگی......غامدی صاحب پوری دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ: ''یہ اَب آخری زمانہ ہے، جس کے بارے میں 'قرآن' نے بتایا ہے کہ اِس میں حضرت نوح (علیہ السلام) کے تیسرے بیٹے یافث کی اَولاد کے پاس حکمرانی ہوگی''۔ نجانے وہ کون سا قرآن ہے جس میں غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ خرافات لکھی ہوئی ہیں...... ہمارے پاس جو تیس پاروں اور ایک سو چودہ سورتوں والا قرآن ہے اس میں تو الحمد سے والناس تک کسی جگہ

ہمیں یہ سب لکھا نظر نہیں آیا......اگر غامدی صاحب کے سیالکوٹ میں تصنیف کردہ اپنے قرآن میں یہ بات کہیں لکھی ہوئی ہو تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے لیکن اگر بات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ مسلمانوں کے قرآن کی ہو رہی ہے تو کیا اس میں کسی بھی جگہ غامدی صاحب یا عمار خان ناصر صاحب سمیت ان کا کوئی بھی شاگرد غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ باتیں دکھا سکتے ہیں؟......اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر **لعنة الله علی الکاذبین** کے علاوہ ان کے لیے کیا پڑھا جا سکتا ہے؟

ہوسکتا ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے پیروکار اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن پاک کی آیت ''**حتیٰ اذا فتحت یأجوج و مأجوج وهم من کل حدب ینسلون**'' سے استدلال کرنا چاہیں، کہ قرآن پاک نے آخری زمانے میں یاجوج ماجوج کے دنیا پر غلبے کی خبر دی ہے اور یاجوج ماجوج نوح علیہ السلام کے تیسرے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں......لیکن اگر عقل و استدلال کا جنازہ نہیں نکل چکا، اور دنیا میں فہم و انصاف نامی کوئی چیز بھی باقی رہ گئی ہے تو ان من گھڑت دعاوی کے لیے اس آیت میں کچھ بھی ثبوت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس آیت میں نہ تو یہ صراحت ہے کہ یاجوج ماجوج یافث کی اولاد ہیں، نہ یہ کہ یورپی اقوام یاجوج ماجوج ہی ہیں، نہ یہ کہ موجودہ زمانہ ان کے حتمی غلبے کا زمانہ ہے، اور نہ یہ کہ یاجوج ماجوج کے غلبے کے بعد ہمیشہ کے لیے وہی غالب رہیں گے......اس کے برعکس احادیث مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان نبوت سے خبر دی گئی ہے کہ یأجوج مأجوج کے خروج اور غلبے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام ان کے لیے بددعا فرمائیں گے جس کے بعد اللہ جل شانہ ان کو ہلاک و برباد فرما دیں گے اور ان کا نام و نشان بھی دنیا سے مٹ جائے گا (صحیح مسلم کتاب الفتن)......

سو غامدی صاحب کے بیان کردہ بعض دعاوی تو سرے سے ہی باطل ہیں، اور اگر بعض دعاوی درست ہیں بھی تو زیادہ سے زیادہ وہ تاریخ سے ثابت ہو سکتے ہیں......غامدی صاحب کا اُن کو قرآن کی طرف منسوب کرنا بہر طور سفید جھوٹ اور قرآن پر عظیم بہتان ہے۔[1]

غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا کے اقتدار میں ''مسلمان اپنی باری لے چکے ہیں'' گویا ان کے خیال میں دنیا کا اقتدار کرکٹ کا میچ ہے جس میں ایک ٹیم کو ایک مرتبہ باری ملنے کے بعد دوبارہ باری ملنا ناممکن ہے......یا پھر انہوں نے اپنے آپ کو نیاز بانٹنے والا وہ شخص تصور کر لیا ہے جس کے سامنے دنیا کی اقوام ایک لائن میں کھڑی ہو کر اقتدار کی نیاز حاصل کر رہی ہیں اور مسلمان قوم ایک بار یہ نیاز وصول کرنے کے بعد چپکے سے دوبارہ لائن میں لگ کر کھڑی پکڑی گئی ہے......اور اس فراڈ پر غامدی صاحب اسے خوب کھری کھری سنا

---

[1] یاد رہے کہ غامدی صاحب کے تلمیذ رشید جناب عمار خان ناصر بھی اپنے استاذِ گرامی کا حق تلمذ ادا کرتے ہوئے قرآن کریم پر صریح بہتان باندھنے کی ''سعادت'' حاصل کر چکے ہیں۔ دیکھیے رجم کی شرعی حیثیت: ۲۳۸

رہے ہیں۔لاحول ولاقوۃ الاباللہ......

مسلمانوں کواب تا قیامت اقتدار نہ مل سکنے کے بے بنیاد دعوے پر غامدی صاحب قرآن پاک کی وہ آیت لے آئے جس کا ان کے دعوے کے ساتھ دور دراز کا بھی کوئی تعلق نہیں، یعنی **''تلک الایام نداولھا بین الناس''**...... قرآن پاک کی تفسیر سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والے کسی بھی شخص کو معلوم ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل ہوئی تھی، جب بدر کی فتح کے بعد احد میں مسلمانوں کو عارضی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش کیا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غم وحزن سے نڈھال تھے اور ان کی تسلی کے لیے اللہ جل شانہ نے قرآن پاک کی آیات نازل فرمائیں جن میں ایک طرف مسلمانوں کی بعض کمزوریوں کی اصلاح فرمائی گئی اور دوسری جانب اس وقتی شکست میں اللہ جل شانہ کی جو بہت سی تکوینی حکمتیں پوشیدہ تھیں ان کو بیان کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی گئی اور انہیں صبر ورضا کی تلقین کی گئی۔آیات کے اسی سلسلے میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ **''وتلک الایام نداولھا بین الناس''** مطلب یہ کہ اللہ جل شانہ کا قاعدہ ہے کہ دن لوگوں میں الٹتے پلٹتے رہتے ہیں......کبھی ایک قوم فتح یاب ہوتی ہے اور کبھی دوسری......اس میں مسلمانوں کی دو طرح سے تسلی تھی، ایک تو یہ کہ جو شکست ہوئی اس پر بہت غم کرنے کی ضرورت نہیں، یہ اللہ جل شانہ کا تکوینی فیصلہ تھا، اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ تھیں، اللہ جل شانہ کا فیصلہ ہی یہی تھا کہ پہلے مسلمانوں کو فتح ملی تو اب کافروں کو بھی ملے، اس میں بہت زیادہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں......دوسری تسلی یہ کہ جیسے تمہاری فتح کے بعد کافروں کو فتح ملی، ایسے ہی اب ان کی فتح کے بعد دوبارہ تمہیں بھی مل سکتی ہے، گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، آج دشمنوں کو تم پر غلبہ ملا، تم پست ہمتی نہ دکھاؤ، غمگین نہ ہو، اگر تم ایمان پر قائم رہے تو دوبارہ غالب آؤ گے **''ولا تھنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین''**...... اور یہی ہوا......احد کی اس عارضی شکست کے بعد احزاب وفتح مکہ اور حنین وغیرہ میں پھر سے مسلمانوں کو شاندار فتوحات ہوئیں اور آخر کار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کی مدد ونصرت سے توحید کا پرچم پوری دنیا پر لہرایا......یہ اس آیت کا پس منظر اور اس سے ملنے والا سبق تھا......لیکن ذہنی غلامی کو خدا غارت کرے کہ اس نے غامدی صاحب کو بہادری، بلند ہمتی اور توکل علی اللہ کا سبق دیتی ان آیات سے بھی ذہنی غلامی، فکری پستی اور مایوسی کا سبق کشید کرنے پر آمادہ کیا اور انہیں اس آیت کا یہ خانہ زاد مفہوم کشید کرنے پر مجبور کیا کہ: ''ہم اِس دنیا کے اقتدار کو اِسی طرح ایک لائن میں ایک کے بعد دوسری قوم کو دے رہے ہیں'' اور ''مسلمان قومیں اپنا وقت لے چکی ہیں''، یعنی اب تا قیامِ قیامت دنیا پر یورپ کا غلبہ رہنا ہی خدائی فیصلہ ہے، اور ان کے غلبے کو تسلیم کیے رکھنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارۂ کار نہیں

ہے......حالانکہ غامدی صاحب کے وضع کردہ اس مفہوم کو نہ آیت کے ترجمہ سے کوئی مناسبت ہے، نہ اس کے سیاق وسباق سے، نہ ''نظم کلام'' سے، نہ آیت کا پس منظر اور بعد کے واقعات ہی آیت کی اس ظالمانہ تحریف معنوی کی کوئی اجازت دیتے ہیں۔

اپنے اس خانہ زاد دعوے کو قرآن سے ''مدلل'' کرنے کے بعد غامدی صاحب اسے تاریخ سے ''مبرہن'' کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(دنیا کی تاریخ کا) پہلا دور وہ جس میں اُن (نوح علیہ السلام) کے بیٹے حام کی نسلوں کے پاس دنیا کی حکومت رہی ہے، یہ افریقی اقوام ہیں۔ دوسرا دور وہ ہے جس میں اُن کے دوسرے بیٹے سام کی اولاد (سمیٹک نیشنز) کے پاس اقتدار رہا ہے۔ اور اَب یہ یافث کی اولاد ہے جو امریکہ میں، آسٹریلیا میں، یورپ میں، وسط ایشیا میں اور اسی طرح ہندوستان میں بھی بڑی حد تک آباد ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اَب اپنی اسٹیج پر اِن کو موقع دے رکھا ہوا ہے، مسلمان قومیں اپنا وقت لے چکی ہیں''

تبصرہ: غامدی صاحب کی گفتگو کے اس حصے کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا کے اقتدار کی تاریخی ترتیب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد کو باری باری دنیا کی حکومت ملی ہے، حام اور سام کی اولاد بالترتیب اپنی اپنی باری لے چکے ہیں اور اب قیامت تک یافث کی اولاد کی باری ہے، غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ تاریخی کہانی شیخ چلی کی کہانی سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتی کیونکہ:

ا......: حام کی اولاد یعنی افریقیوں کو سب سے پہلے پوری دنیا کا اقتدار ملنے کا دعویٰ ثبوت چاہتا ہے، اور خیر سے دلیل وثبوت ہی وہ جنس نایاب ہے جس کا غامدی سلطنت میں ڈھونڈے سے بھی پتہ نشان نہیں ملتا......غامدی صاحب اور ان کے پیروکار زیادہ سے زیادہ فراعنہ کے اقتدار کو پیش کر سکتے ہیں جو تاریخی اعتبار سے حام کی اولاد میں سے تھے، لیکن قرآنی اشارات سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ فرعونوں کا اقتدار عالمی یا بہت وسیع وعریض نہیں، مصر کی سرزمین تک محدود تھا، حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام جب ایک قبطی کو قتل کرکے مصر سے نکلے اور مدین میں جا کر پناہ گزین ہوئے تو سیدنا شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ **''نجوت من القوم الظالمین''** یعنی فرعون کا اقتدار مدین کی سرزمین سے بھی پہلے اختتام پذیر ہو جاتا تھا......خود فرعون نے اپنی زبان سے کہہ دیا تھا کہ **''یقوم الیس لی ملک مصر''** یعنی ''اے قوم کیا ملک مصر کی بادشاہت میرے پاس نہیں ہے''، گویا فرعون صرف ملک مصر کا بادشاہ تھا نہ کہ پوری دنیا کا......اسی طرح سیدنا یوسف ویعقوب علیہما السلام کے زمانے میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کی حکم روائی فلسطین کی حدود تک بھی نہیں پہنچتی تھی چہ جائیکہ وہ پوری دنیا کو محیط ہوتی......اس لیے فراعنہ کے تسلط کا پوری دنیا پر محیط ہونا یا فراعنہ کے علاوہ حام کی اولاد کو پوری دنیا کا اقتدار ملنا غامدی صاحب کا وہ دعویٰ ہے جس کا بارِ ثبوت ان کے

اوران کے متبعین کے ذمہ ہے۔

۲......اور یہ بات تو بداہتاً بالکل غلط ہے کہ پہلے مسلسل حام کی اولاد دنیا کے تخت پر قابض رہی، پھر مسلسل سام کی اولاد، اوراب ہمیشہ کے لیے یافث کی اولاد کی باری ہے۔حقیقت یہ ہے کہ سام اور یافث کی اولاد میں صدیوں سے اقتدار کی کشمکش جاری ہے اور وہ بار بار ایک دوسرے کو مغلوب کر کے اقتدار سنبھالتی رہی ہیں۔سب جانتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام اور داؤدعلیہ السلام کے زمانے میں سامی بنی اسرائیل کو ملنے والے عظیم الشان اقتدار کا یافث کی اولاد یعنی رومیوں کے ہاتھوں قبل مسیح ہی خاتمہ ہو چکا تھا، پھر صدیوں تک بنی یافث یعنی رومیوں کا دنیا پر قبضہ رہا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد دوبارہ سام کی اولاد میں سے بنی اسماعیل کو دنیا کا اقتدار ملا جو صدیوں تک باقی رہا۔اس ساری ترتیب کو خود غامدی صاحب بھی مانتے اور قرآن سے ثابت کرتے ہیں،اس ساری تفصیل سے دو باتیں واضح ہوئیں:

[۱] حام اور سام کی طرح یافث کی اولاد کو بھی دنیا کی حکمرانی مل چکی ہے،اور کئی صدیوں تک برقرار رہ چکی ہے۔

[۲] ایسی کوئی بات تاریخی یا شرعی طور پر ثابت نہیں کہ جس قوم سے ایک بار دنیا کی حکمرانی چھن جائے اسے دوبارہ نہ مل سکے، بنی سام اور بنی یافث ، دونوں سے دنیا کی حکمرانی چھننے کے باوجود انہیں دوبارہ واپس ملی ہے اور آئندہ بھی مل سکتی ہے۔

۳:......اگر بالفرض غامدی صاحب کی بیان کردہ یہ ساری ترتیب درست ہو تو بھی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اب قیامت تک دنیا کے اقتدار کی یافث کی اولاد کی باری ہے،یافث کی اولاد اصل میں ترک اقوام ہیں جو ترکی سے لے کر چین تک اور دوسری طرف سابقہ سوویت یونین کی ریاستوں سے لے کر یورپ کی حدود یعنی یوکرائن وغیرہ تک پھیلی ہوئی ہیں، تعجب ہے کہ اگر قیامت تک دنیا کے اقتدار کا فیصلہ غامدی صاحب کے خیال میں بنی یافث کے لیے ہو ہی چکا تھا تو ان بنی یافث میں بہت سی مسلمان اقوام بھی موجود تھیں لیکن غامدی صاحب اس کے باوجود عالمی اقتدار کے سنگھاسن پر غیر مسلموں کو ہی براجمان دیکھنا چاہتے ہیں اور خود اپنے ہی وضع کردہ قاعدے پر پورے اترنے والے مسلمانوں پر غلطی سے بھی ان کی نظر انتخاب نہیں پڑتی۔

اپنے دعوے کو قرآن پاک اور تاریخ سے ''ثابت'' کرنے کے بعد غامدی صاحب فرماتے ہیں:

''دوسرا یہ کہ ''مسلمان'' سے ہٹ کے ''اسلام'' کو ذرا زیر بحث لائیں تو اسلام تو کسی قوم کا مذہب نہیں ہے۔آپ کے اندر جذبہ یہ نہیں پیدا ہونا چاہیے کہ وہ پٹی ہوئی مسلمان قومیں دوبارہ اِقتدار حاصل کرلیں، پوری طاقت سے اُٹھیے اور جن کے حق میں اِقتدار کا فیصلہ ہو چکا ہے اُن کو مشرف بہ اسلام کریں، ان تک خدا کا پیغام پہنچائیں۔اسلام کسی قوم کا نام نہیں ہے، وہ ایک مسیج ہے،ایک پیغام ہے،ایک عالمگیر صداقت

ہے۔تو آپ اُٹھیں، اُٹھ کے جائیں، اور اپنا پیغام اُن لوگوں کے پاس پہنچائیں جن کے حق میں اقتدار کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو دنیا کے اقتدار تک لے جانے میں بڑی مشکلات ہیں، اس لیے کہ قدرت کا نظام اپنا فیصلہ کر چکا۔ لیکن یہ موقع ہمارے پاس موجود ہے کہ ہم اپنے مسیج کو اُن قوموں تک پہنچا دیں۔‘‘

تبصرہ: قارئین کرام سمجھ ہی رہے ہوں گے کہ جناب غامدی صاحب کے اس پر اثر وعظ میں ’’پوری قوت سے اٹھیے اور اپنا پیغام غیر مسلموں تک پہنچایئے‘‘ ’’انہیں مسلمان کیجیے‘‘ وغیرہ الفاظ تو محض وزنِ بیت کے لیے ہیں، اصل مقصود تو یہ پیغام ہے کہ ’’پٹی ہوئی مسلمان قومیں اب اقتدار حاصل نہیں کر سکتیں‘‘...... ’’یورپین اقوام کے لیے ہمیشہ کے اقتدار کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے‘‘...... ’’مسلمانوں کو دنیا کے اقتدار تک لے جانے میں بڑی مشکلات ہیں‘‘......وغیرہ وغیرہ......اگر غامدی صاحب کو غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی ہی واقعتاً زیادہ فکر ہے تو خود انہوں نے ’’پوری قوت سے اٹھ کر‘‘ اب تک کتنے کافروں تک اپنی دعوت پہنچائی ہے؟ کتنوں کو مسلمان کیا؟ دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں کیا کیا قربانیاں دیں؟ کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟ دنیا جانتی ہے کہ ان کی زندگی کافروں کی دعوت مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے اور ان کا نظام مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے وقف ہے، اسلام کی دعوت کفار تک وہ کیا پہنچاتے......وہ تو کبھی قرآن میں تحریف کر کے، کبھی تاریخ کو مسخ کر کے، کبھی جھوٹ پر جھوٹ بول کے، کبھی خیالی اندیشوں سے دھمکا کر، مسلمان قوم کو کسی بھی طرح یہ منوانے پر تلے ہوئے ہیں کہ خدارا یورپ کی دائمی اور عالمگیر غلامی کو کسی نہ کسی طرح قبول کر لو! اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے......یقین نہیں آتا کہ کوئی شخص غلامی و پستی کی اس انتہاء تک بھی جا سکتا ہے......انا للہ وانا الیہ راجعون......

مزید فرماتے ہیں:

’’اور (یورپین اقوام کا ہی مسلمان ہو جانا) کیا بعید ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ ایک زمانے میں جب یافث کی اولاد حملہ آور ہوئی ہے اور انہوں نے عرب کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا ہے......اور آپ کے علم میں ہے کہ بغداد کا سقوط ہوا...... پوری مسلمان اُمت رو رہی تھی...... اور تُرک، چنگیز خان کی اولاد حملہ آور ہو گئی......آخری خلیفہ کو ٹاٹ میں اور قالین میں بند کر کے مار دیا گیا...... اُس کے بعد ہوا کیا؟ اِسلام کی طاقت آگے بڑھی......اور وہ اقبال نے کہا نا:...... ’’پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے‘‘...... وہی ترک مسلمان ہو گئے......وہ اسلام کی آغوش میں آ گئے......اور یہ جس کو آپ ’’سلطنت عثمانیہ‘‘ کہتے ہیں، یہ وجود میں آئی اور پانچ سو (۵۰۰) سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی......تو اس وجہ سے میرے نزدیک اَب بھی صحیح راستہ وہ نہیں جس میں لوگ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، (جہاد کر رہے ہیں۔[ناقل]) صحیح راستہ یہ (دعوت والا) ہے......اِس کو اختیار کرنا چاہیے......کیونکہ مسیج میں بڑی طاقت ہوتی ہے‘‘

تبصرہ: گفتگو کے اس حصے میں جناب غامدی صاحب نے اپنے شروع کے دعاوی پر دلیل فراہم کرتے ہوئے تاتاریوں کے عالم اسلام پر حملے کے واقعات سے تاریخی استدلال کرنے کی کوشش کی ہے......غامدی صاحب کا دعویٰ ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا اقتدار چھن جانے کے بعد مسلمان میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکے تھے البتہ تاتاری خود مسلمان ہوگئے تھے......غامدی صاحب یہ واقعہ سنا کر امت کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ تم بھی یورپین اقوام سے میدان جہاد میں کبھی نہیں جیت سکتے......اس لیے ان سے مقابلہ کرنے کا سودا سر سے نکال ڈالو اور صرف انہیں اپنا ''مسیج'' پہنچانے کی فکر کرو......جہاد کے ذریعے کفار کو شکست دینے اور مغلوب کرنے کا راستہ غلط ہے......لیکن کیا کیجئے کہ جب ہم غامدی صاحب کے مشورے پر عمل کرنے کے لیے اس دور کی تاریخ کا مکمل مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں میدان میں ایک بار شکست اور بغداد کی تباہی کے بعد امت نے ایک بار پھر جہاد کا علَم تھام لیا تھا......مجاہدین فی سبیل اللہ کے سربکف لشکر ایک بار پھر پوری تب وتاب کے ساتھ تاتاریوں کے سامنے صف آراء ہوگئے تھے......جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ مصر کے مملوک حکمرانوں، شام کے مجاہدین اور ہندوستاں کے بادشاہوں کے ہاتھوں اللہ جل شانہ نے تاتاریوں کو پے در پے عبرت ناک شکستوں سے دوچار کیا تھا جس سے ان کے عسکری دبدبے کی ہوا نکل گئی......مکہ ومدینہ سمیت پورے عالم اسلام پر ان کے قبضے کا خواب مٹی میں مل کر رہ گیا......پچاس سال تک ہندوستان پر مسلسل حملے کرنے کے باوجود وہ یہاں کے مجاہدین سے سر ٹکرا ٹکرا کر واپس پلٹتے رہے اور ملتان سے آگے کبھی نہ جا سکے......یہ درست ہے کہ اللہ جل شانہ نے انہی تاتاریوں کو بعد میں اسلام کی دولت نصیب فرمائی اور انہی سے اسلام کے غلبے اور جہاد کا کام لیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس نازک موقع پر بھی اس امت کے مجاہدین نے جہاد فی سبیل اللہ کے فرض کو نہیں بھلایا......اور اس جہاد کی برکت سے ہی تاتاریوں کے مکروہ عزائم پانی کے بلبلے کی طرح ختم ہو کر رہ گئے......ان کی پیش قدمی کا طوفان رک گیا......ان کی آندھی کا زور سمٹتے سمٹتے محدود ہوتا چلا گیا......عجب نہیں کہ اس دور کے مجاہدین اور علماء کے جہاد کی برکت سے ہی اللہ جل شانہ نے تاتاریوں کو بعد میں اسلام کی نعمت سے نوازا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب......

غامدی صاحب کی گفتگو یہاں تک پہنچتی ہے تو سوال کرنے والا سوال کرتا ہے:

''لیکن ہمیں تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ امام مہدی صاحب نے آنا ہے، حضرت عیسیٰؑ نے آنا ہے، ان کی آمد پر دوبارہ سے مسلمانوں کا غلبہ ہوگا۔''

غامدی صاحب ایک زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ:

''اگر آپ کے خیال میں اِن سب نے آنا ہے، اور آ کر یہ کام کرنا ہے تو پھر تشویش کی کیا بات ہے؟

پھر اطمینان کے ساتھ سوتے ہیں (قہقہے) ۔میں تو کئی بار کہتا ہوں کہ پھر کوئی اچھا سا کھانا وانا پکا کر فریج میں رکھ لیتے ہیں، تاکہ اُن کی خدمت میں پیش کیا جاسکے (قہقہے) میرے نزدیک مسلمانوں کو اِن افسانوں سے اَب نکلنا چاہیے اور حقیقت کی زمین پر کھڑے ہونا چاہیے۔''

تبصرہ: مقامِ افسوس ہے کہ جو شخص اپنے اوہام وخیالاتِ واہیہ کو بڑی ڈھٹائی سے قرآن کے سر باندھ کر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے وہی شخص احادیث صحیحہ متواترہ میں صادق ومصدوق رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی گئی سچی پیشین گوئی کو قہقہوں اور تمسخر واستہزاء میں اڑا رہا ہے......اسے نہ فرمانِ نبوی کے ادب کا احساس ہے نہ اجماعِ امت کے احترام کا خیال......حیات ونزول سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی احادیث جن کو روایت کرنے والے صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد حضرت مولانا سید یوسف بنوری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق لگ بھگ ایک سو ہے......تابعین اور تبع تابعین میں جن کے راوی ہزاروں سے متجاوز ہیں...... پوری امت از اول تا آخر اس پر ایمان اور یقین رکھتی آئی ہے......غامدی صاحب کتنے ظالمانہ انداز سے احادیث صحیحہ متواترہ کی صراحت، قرآن پاک کے اشارات اور پوری امت کے اجماع سے ثابت شدہ اس عقیدے کو ''افسانے'' کہہ کر ٹال رہے ہیں......اس کا مذاق اڑا رہے ہیں......صرف اس لیے کہ ان احادیث پر ایمان رکھنے سے مسلمانوں کا جذبہ جہاد بیدار رہتا ہے جس سے غامدی صاحب کے انگریزی آقاؤں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے......امت مسلمہ کے اس غلبے کی امید باقی رہتی ہے جس کا خواب وخیال بھی غامدی صاحب ہر مسلمان کے دل ودماغ سے کھرچ کر نکال دینا چاہتے ہیں......

قرآن پاک، احادیث اور امم سابقہ کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مغلوب اور غلام قوم کا سب سے پہلا فرض ظالموں اور غاصبوں کے خلاف جدوجہد وجہاد کرنا اور خود کو ان کے فکری وعسکری غلبے سے آزاد کرانا ہوتا ہے، اس کے بغیر ان کی اخلاقی ودینی حالت قیامت تک کبھی بہتر نہیں ہوسکتی۔اسی لیے موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کو ''علمی واخلاقی حالت میں بہتری لانے''، ''سچا علم حاصل کرنے''، ''جمہوری نظام اور جمہوری کلچر کو پروان چڑھانے''، ''پوری قوت سے اٹھ کر فرعون کی قوم کو دعوت دینے'' جیسے احکامات دینے کے بجائے سب سے پہلے انہیں فرعونیوں سے آزاد کروانے کی کوشش کی، اس کے لیے انہیں ہجرت کا حکم ہوا، ہجرت کے بعد فرعونیوں کی قید سے نکلتے ہی کوئی ''جمہوری کلچر پروان چڑھانے'' کے بجائے فوراً عمالقہ سے جہاد کا حکم نازل ہوگیا، لیکن افسوس کہ بنی اسرائیل کے غامدی صاحب جیسے عقل مند دانشوروں نے اللہ جل شانہ کے احکامات کی اطاعت کے بجائے اسی قسم کی تاویلات کیں جیسی غامدی صاحب کر رہے ہیں......جس کے نتیجے میں ان کی مغلوبیت وپستی کا زمانہ طویل سے طویل ہوتا چلا گیا...... جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عرصہ اپنے وطن میں دعوت دینے اور اپنے صحابہ کی ایک جماعت بنالینے کے بعد انہیں اپنے وطن سے

ہجرت و جہاد کا حکم دیا حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں جو تا ثیر اور طاقت تھی نہ اس کے بعد کسی کی دعوت میں پیدا ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے......اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے اولاً کفر کے غلبہ کی سرزمین سے ہجرت اور ثانیاً سرکش کفار سے جہاد کیا تو وجہ یہی تھی کہ دعوت چاہے قرآن جیسی عالی شان کتاب اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو، صرف اُن لوگوں پر اثر کرتی ہے جن کے نفس پاکیزہ، ہمتیں بلند اور قلوب روشن ہوتے ہیں......لیکن ان گنے چنے چند لوگوں کے علاوہ ہر شخص میں اتنی صلاحیت و ہمت نہیں ہوتی کہ وہ دعوت حق کو قبول کر سکے......کچھ لوگ سرکش و متمرد ہوتے ہیں جو خود بھی دعوتِ دین سے عناد رکھتے ہیں اور اپنی قوم کے حق پر آنے کے راستے میں بھی ہر ممکن طریقے سے رکاوٹیں ڈالتے ہیں......ایسے لوگوں کی موجودگی میں ضروری ہوتا ہے کہ پہلے اُن کے حلقۂ اثر سے خود کو نکالا جائے، پھر اُن کے خلاف تلوار اٹھا کر اُن کے تمرد وطغیان کا زور توڑا جائے......تب جا کر ان ہزاروں لوگوں کے لئے حق کو قبول کرنے کا راستہ صاف ہوتا ہے جو حق کو قبول کرنا تو چاہتے ہیں لیکن اپنی قوم اور اس کے سرداروں کے اثر سے قبول کر نہیں سکتے......

اگر کوئی شخص غیر اور کافر اقوام کی تا زندگی غلامی میں رہنے کی قسم کی اٹھا چکا ہو تو اس کو نہ قرآن پاک کی آیات ہلا سکتی ہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، اور نہ ہی اُمم سابقہ کی تاریخ سے اسے کوئی درس مل سکتا ہے، اس کی زندگی کا مشن ظالموں اور غاصبوں کے قبضے کو دوام بخشنا ہی باقی رہ جاتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ''من یضلل اللہ فلا ھادی لہ'' پڑھنے کے سوا اُس کے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔☆

(صفحہ نمبر 32 کا بقیہ)

بعد ازاں حضرت کے جسمِ اقدس کو ان کے اپنے آبائی گاؤں چاہ ولی محمد والا میں خانقاہ فاروقیہ و جامعہ محمدیہ تدریس القرآن کے پہلو میں سلا دیا گیا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہم سب کو اس صدقہ جانکاہ پر صبرِ جمیل عطاء فرمائے اور حضرت شیخ العصر رحمہ اللہ کو اپنی خاص جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے آمین ثم آمین

اللھم اجعل قبر شیخنا روضة من ریاض الجنة آمین

اعلمت من حملوا علی الاعواد

ارائیت کیف خبا ضیاء النادی

(ترجمہ) کیا آپ کو معلوم ہے کس کو اٹھا کر لکڑیوں پر لے گئے۔ کیا تجھ کو معلوم ہے مجلس کی روشنی ماند پڑ گئی ہے۔ ☆☆☆☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں جا بجا مہاجرین کا تذکرہ ہے، لیکن اگر سوال کیا جائے کہ سب سے پہلا مہاجر (خدا کی راہ میں ہجرت کی سعادت حاصل کرنے والا) کون ہے؟ تو جواب میں ایک خوبصورت نام آئے گا، ''حضرت سیدنا مصعب بن عمیرؓ ''

حضرت مصعبؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی، آنحضرت ﷺ نے جن دنوں میں دار ارقم کو اپنی عبادت اور تبلیغ وتزکیہ کا مرکز بنایا ہوا تھا، یہ انہیں دنوں اسلام کی آغوش میں پناہ گزین ہوئے اور السابقون الاولون کے مصداق ٹھہرے، تاہم اپنا اسلام اپنی والدہ اور قوم کے ڈر سے چھپاتے رہے، ایک مرتبہ عثمان بن طلحہ نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اس نے جا کر حضرت مصعبؓ کے گھر والوں کو بتلا دیا اور پھر انہیں اپنے گھر میں بیڑیاں لگا دی گئیں، جس وقت مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے تو حضرت مصعبؓ بھی فرار ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں کامیاب ہو گئے [الاستیعاب: ۳۶/حصہ چہارم]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے لکھا ہے کان مصعب بن عمیر انعم غلام بمکة وا جوده حلة مع ابويه (حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ مکرمہ میں بہت نازونعم سے پرورش پاتے رہے اور بہت ہی عمدہ لباس زیب تن رکھتے تھے) [الاصابہ: ۱۸۴۱/۳]

حضرت سیدنا مصعبؓ کو اولاً حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں سے واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ سے آکر مشرف با اسلام ہونے والے صحابہ کرامؓ کی تعلیم اور نماز کی امامت کے لئے مدینہ منورہ روانہ فرما دیا، چنانچہ بخاری شریف میں ہے اول من قدم علينا مصعب بن عمير و ابن ام مكتوم انصار نے کہا ''ہمارے پاس سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتوم تشریف لائے'' دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مصعبؓ، حضرت ابن ام مکتومؓ سے بھی پہلے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت مصعبؓ کو غزوہ بدر میں بھی داد شجاعت دینے کا موقع ملا اور انھوں نے غزوہ احد میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے، معرکہ احد میں علم نبوی آپ کے ہی دستِ مبارک میں تھا، غزوۂ احد میں ہی آپ شہادت پا گئے اور آپ کی ہی شہادت کی وجہ سے یہ افواہ پھیلی تھی کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے ہیں، ایک تو اس وجہ سے کہ علمِ نبوی آپ کے ہاتھ میں تھا، دوسرا اس وجہ سے کہ حضرت مصعبؓ آنحضرت ﷺ کے مشابہ

تھے۔[الاصابہ:۱۸۴۱/۳]

جس وقت آپؓ کی شہادت ہوئی تو آپ کی ملکیت میں صرف ایک چادر تھی، جب آپ کے پاؤں کو اس چادر سے ڈھانپا جاتا تو سر مبارک ظاہر ہو جاتا اور اگر سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں ظاہر ہو جاتے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اجعلو ا علی رجلہ شیئا من الاذ خر (ترمذی] سر ڈھانپ دو اور پاؤں پر گھاس ڈال دو۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ زیارت کے لئے حاضر ہوئے، ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی جس میں چمڑے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے، جب حضور ﷺ نے ان کی گزشتہ حالت کا موجودہ حالت سے موازنہ فرمایا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کے بارے میں تم کیا کہو گے، جو صبح کے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا زیبِ تن کرتا تھا اور شام کے وقت دوسرا''۔[اسد الغابہ:۱۹۷/۳]

شاعرِ اسلام حفیظ جالندھری نے حضرت سیدنا مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کی منظر کشی اس طرح کی ہے۔ ؎

رسول اللہ سے قدرے مشابہ تھا جمال اُن کا
علَم کے سائے میں خورشید معنی تھا جمال ان کا

ہلاکت گاہ میں اٹھتا تھا جس جانب قدم ان کا
مسلمانوں پہ سایہ ڈال دیتا تھا علَم ان کا

یہ منظر دیکھ کر میداں میں مصعبؓ کی بسالت کا
گماں قمیہ (۱) کے بیٹے کو ہوا شانِ رسالت کا

تھا ارماں کعبۂ مقصود کو مسمار کرنے کا
تہیہ کر لیا قاتل نے چھپ کر وار کرنے کا

دغا بازی پہ رکھا جنگ کا دارومدار اُس نے
کیا پیچھے سے آ کر بازوئے مصعب پہ وار اس نے

احد میں جس نے اب تک غلبۂ اسلام رکھا تھا
وہ بازو کٹ گیا جس نے علَم کو تھام رکھا تھا

علَم تھاما گرا کر ہاتھ سے شمشیر مُصعبؓ نے
رہے حق کا علَم اونچا یہ کی تدبیر مُصعبؓ نے

مگر اس پر بھی ایسا ہاتھ مارا ابنِ قمیہ نے
لگائی تیغ مصعب پر دوبارہ ابن قمیہ نے

قلم ہو کر زمیں پر گر چکے تھے ہاتھ مصعبؓ کے
مگر مصعبؓ تھے قائم اور علَم بھی ساتھ مصعب کے

کٹے ہاتھوں کے دونوں ٹھنڈاب چھاتی پہ آئے تھے
علَم کی چُھڑ دبائے دل پہ ہالا سا بنائے تھے

اسی عالَم میں پھر اک ہاتھ مارا ابنِ قمیہ نے
علَمبردارِ حق کا سر اتارا ابنِ قمیہ نے

سرِ سجدہ گزار اس طرح اُترا فرش کے اوپر
صدائیں رَبّی الاعلیٰ کی گونجیں عرش کے اوپر

[شاہنامہ اسلام، حصہ سوم:۱۰۸]

(۱) حضرت مصعبؓ کے قاتل ابن قمیہ ۱۲

تحریر: شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم

دِین میں سند کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے دین کا دارومدار آسمانی وحی پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر وحی آتی رہی اور اس وحی کے ذریعہ دین پھیلتا رہا، اس لیے اصل مدار وحی ہے، چاہے وہ وحی قرآن کی شکل میں ہو یا غیر قرآن کی شکل میں۔ خود قرآن نے اس کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ اصل مدار وحی پر ہے۔

بیت المقدس ہمارا قبلۂ اَوّل ہے، اور اس کا قبلۂ اَوّل ہونا یہ وحی سے ثابت ہوا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وَسلم نے اس قبلہ کی طرف چودہ پندرہ مہینہ نماز پڑھی ہے، لیکن آپ قرآنِ کریم کو بسم اللہ سے والناس تک دیکھ لیجیے کہیں کوئی آیت ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ قبلۂ اَوّل کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کا حکم وحی سے تھا اور وہ وحی یقیناً اللہ کی طرف سے تھی، جس کو ہم حدیث سے تعبیر کرتے ہیں، چناں چہ جب قرآنِ کریم اُترا اور بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا تو قرآن نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اس سے پہلے جو حکم تھا وہ بھی اللہ کی طرف سے تھا اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ دین ہم تک وحی کے ذریعہ پہنچا ہے، خواہ وہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وَسلم پر قرآن کی شکل میں نازل ہوئی یا حدیث کی شکل میں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وَسلم نے اس دین کو اپنے قول وفعل اور عمل سے اُمت کے سامنے پیش کیا۔ آپ کے وہ پہلے شاگرد، وہ مقدس ہستیاں جنہوں نے آپ سے اس دین کو قرآن کی شکل میں، حدیث کی شکل میں اور حکمت کی شکل میں لیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں وہ معیارِ حق تھے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کامل تھے، آپ کے شاگرد بھی کامل تھے، عموماً کامل اُستاذ کا شاگرد ہی کامل ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیارِ حق قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا". (البقرة ۱۳۷)

دین اسلام کے اوّلین حاملین حضراتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہی تھے، جنہوں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم سے دین سیکھ کر اور آپ کے قول وعمل کو دیکھ کر بعینہٖ اسی طرح پورا کا پورا بعد والوں تک پہنچا دیا۔ اسی لیے ہمارے دین کے اندر سند ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ چناں چہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ان الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء."

چناں چہ حضراتِ صحابہؓ نے دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تابعینؒ تک پہنچایا اور ان سے تبع تابعینؒ نے لیا، اس طرح ہر دور میں اللہ نے ایسے لوگ پیدا کیے جنہوں نے اس دین کو سیکھا، علمی اور عملی طور پر اس کی حفاظت کرتے ہوئے دوسروں تک پہنچا دیا اور یوں دشمنوں سے اس کو محفوظ رکھا۔

دین بغیر استاد کے نہیں آتا اس کی صحیح شکل بغیر استاد کے سامنے نہیں آسکتی۔ چناں چہ قرآنِ کریم میں ہے:

"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ". [البقرة:۱۸۷]

ترجمہ: کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

یہ آیت سن کر ایک صحابیؓ نے اس کا ظاہری معنی سمجھا اور اس پر عمل کرتے ہوئے سفید اور کالا دھاگہ لے کر تکیہ کے نیچے رکھ دیا، چناں چہ سحری کے وقت اس کو بار بار دیکھنے لگے، جب ان کو الگ الگ نظر آنے لگے تو انہوں نے روزہ بند کر دیا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسئلہ آیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا:

"ان وسادتک لعریض"(صحیح مسلم: ۱/ ۳۴۹، باب بیان ان الدخول بالصوم یحصل بطلوع الفجر، ایچ ایم سعید)

یعنی تیرا تکیہ بہت وسیع ہے، (کہ اس میں پوری افق سما گئی)۔

مقصد یہ ہے کہ اُن سے غلط فہمی ہوگئی تھی کیوں کہ سفید دھاگہ سے مراد فجر کی سفیدی ہے اور کالے دھاگہ سے مراد رات کی سیاہی ہے۔ اُن صحابیؓ نے صرف عربی زبان پر اکتفا کرتے ہوئے یہ مطلب سمجھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح مسئلہ سمجھا دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔ جب قرآنِ کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ(الانعام ۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کو انہوں نے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوگئے کہ:

"من اینا لا یظلم".

ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی، اس کا معنی یہ ہے کہ نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ دوسری جگہ آتا ہے:

"اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ". (لقمٰن ۱۳)

یعنی ایمان کے بعد شرک نہیں کیا تو ان کے لیے کامیابی ہے۔

پوری حدیث اس طرح ہے:

لما نزلت هذه الآية (الذين امنوا ولم يلبسوا) ايمانهم بظلم. شق ذلک على اصحاب رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وقالوا اينا لايظلم نفسه؟، فقال رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم: ليس كما تظنون، انما هو كما قال لقمان لابنه: يا بنى لاتشرک باللّٰه ان الشرک لظلم عظيم. (مسند احمد ۷/ ۲۷۵، مؤسسة الرسالة)

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم تو وحی کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارا، مگر اس کا صحیح مفہوم جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے صحابہؓ کے سامنے پیش فرمایا۔ پھر اُنہوں نے دوسروں کو پیش کیا جو منتقل ہوتے ہوتے پندرھویں صدی تک پہنچا۔ اس لیے دین میں سند کا ایک مقام ہے۔ اگر صرف مطالعہ پر اکتفا کیا جائے تو اس سے اصل دین کے بجائے گمراہی پھیلے گی۔

ہر چیز کا ایک مفہوم ہوتا ہے اور ایک اس کی اصطلاح ہوتی ہے۔ اور اس چیز کو اصطلاح والے ہی صحیح سمجھتے ہیں۔ مثلاً میڈیکل کا کورس جتنا میڈیکل کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے اگر گھر میں بیٹھ کر مطالعہ کیا جائے، مطالعہ کرنے والا چاہے اچھے سے اچھا انگریزی داں ہی کیوں نہ ہو اور ساری میڈیکل کی کتابیں موجود ہوں، دنیا کا کوئی ڈاکٹر اور کوئی عقل مند ایسے شخص کو ڈاکٹر نہیں کہہ سکتا اور اس پر اس سلسلہ میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اس نے صرف اپنی انگریزیت کی بنا پر اس کا مطالعہ کیا ہے، جب تک کسی میڈیکل کالج میں داخلہ نہ لے اور وہاں موجود پروفیسروں سے اس کو نہ پڑھے اور عملی تجربہ نہ کرے وہ ایک پیسہ کا ڈاکٹر نہیں ہے۔ بعینہٖ یہی بات ایمان اور اسلامی تعلیمات میں موجود ہے کہ جو شخص اسلام اور احکامِ اسلام کے صرف مطالعہ پر اکتفا کرتا ہے اس کا علم قابل اعتماد نہیں ہے۔

ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے مدینہ یونی ورسٹی پہنچایا تھا، وہاں ہم پڑھتے تھے، وہاں ایک شیخ جو ہمیں اُصولِ حدیث پڑھاتے تھے وہ مطالعہ کے عالم تھے، ان کے علمی سلسلہ کی کوئی سند نہیں تھی۔ چھٹیوں میں علمی پکنک ہوتی تھی، باہر جاتے تھے اور اس میں علمی مناقشے ہوتے تھے، ہمارے یہی شیخ کہتے تھے کہ فجر کی نماز کے لیے ''**الصلوٰة خير من النوم**'' مت کہو! اس پر ہم نے کہا: آخر کیوں؟ کیا نیا دین آیا ہے؟ کیا جدید مذہب آیا ہے؟ تو بتلایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''**اجعلها فى الاذان الاوّل**'' اس کلمے کو پہلی اذان میں بڑھا دو اور پہلی اذان سحری کی ہوتی ہے، لیکن یہ کلمات سحری کی اذان میں بڑھائے جائیں گے مگر اذانِ فجر میں نہیں۔ اُن کو یہ دھوکہ اس لیے لگا کہ وہ حدیث کے طالب علم نہیں رہے تھے، انہوں نے حدیث استاذ سے نہیں پڑھی تھی، ورنہ ایک ادنیٰ حدیث کا طالب علم بھی یہ جانتا ہے اذانِ اوّل اور اذانِ ثانی یہ حدیث کی اصطلاح ہے کہ نماز سے پہلے اِقامت (**قد قامت الصلوٰة**) یہ بھی اذان ہے، حدیث کی اصطلاح میں اِس کو اذانِ ثانی کہا جاتا ہے اور جو اذان پہلے دی جاتی

ہے اس کو اذانِ اوّل کہا جاتا ہے۔تو بتائیے کہ ایک حدیث پڑھانے والا استاذ جس نے خود کسی مستند عالم سے حدیث نہیں پڑھی وہ اس کو غلط سمجھ رہا ہے، تو آج کل جو نئے نئے منکرین پیدا ہو رہے ہیں ان کے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور وہ غلطیاں نہیں کریں گے؟

اس لیے کہ انہوں نے علم سند سے حاصل نہیں کیا۔ جب دنیا کے فنون میں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ کوئی شخص بغیر میڈیکل کالج میں پڑھے ڈاکٹر نہیں بن سکتا تو کوئی آدمی بغیر کسی عالم سے پڑھے کیسے عالم ہو جائے گا؟ یہ کھیل نہیں ہے کہ چند ترجمے پڑھ لیے اور علماء کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔

مشہور ہے کہ ایک امام صاحب جنہوں نے کسی مستند استاذ سے کچھ حاصل نہ کیا تھا، البتہ چند آیتیں یاد کر لی تھیں۔ وہ نماز کے دوران ہلتے رہتے تھے، مقتدیوں نے پوچھا: امام صاحب آپ تو نماز میں بہت ہلتے رہا کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ حدیث میں آتا ہے کہ:

''**من ام قوما فليخفف**''۔ جو آدمی کسی قوم کا امام ہو اس کو چاہیے کہ نماز ہلکی پڑھے، لمبی لمبی نہ پڑھائے۔ اُس دور میں اردو والے چھوٹی یا کو بڑی یا سے لکھتے تھے۔ تو وہ صاحب ترجمہ کرنے لگے کہ جو امام ہو کسی قوم کا تو ہل کے نماز پڑھے۔

یہ ہے ترجموں سے علم حاصل کرنے کا نتیجہ! اس طرح کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ یہ دین ہمارا اسی طرح سے ہم تک نہیں پہنچا بلکہ ہر دور میں اللہ رب العزت نے علماء حقانی پیدا کیے جنہوں نے سند کے ساتھ اس کی حفاظت کی، اپنے شاگرد بنائے اسی کی کڑی یہ پاک و ہند اور دوسرے ممالک کے علماء حق ہیں، یہ وہی کڑی چلی آ رہی ہے، اساتذہ اور محدثین سے چلتے چلتے یہ سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

چناں چہ دینی مدارس ہمیشہ سے دین کے قلعے اور اسلامی اقدار و روایات کے تحفظ کی چھاؤنیاں رہی ہیں، ان میں رجالِ کار پیدا ہوتے ہیں جو دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب کوئی ملحد اُٹھتا ہے، کوئی زندیق اُٹھتا ہے جو دین کے اندر ایک نئی چیز پیدا کرتا ہے چاروں طرف سے آوازیں آتی ہیں کہ یہ غلط ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے، آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس لیے کہ اللہ نے علماء کو محافظ بنایا ہے، یہ ایسا ہے کہ جیسا کہ ہمارے ملک کی حدود میں کوئی دشمن آجائے تو ہماری فوج حرکت میں آجاتی ہے اس لیے کہ ان کا کام ہی ملک کی حدود کی حفاظت کرنا ہے۔ اسی طرح ہمارے علماء وہ رجالِ کار اور فوجی ہیں جو دینی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔

یاد رکھیے! جب تک علماء کا وجود ہے، ہمارا دین بھی محفوظ ہے، خدانخواستہ علماء کا ختم ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی ملک میں فوج ختم ہو جائے، جب دشمن چاہے گا ملک پر حملہ کر کے قبضہ کر سکتا ہے اور اسی سلسلہ کی کڑی ''جامعۃ العلوم الاسلامیۃ'' ایک چھوٹی سی چھاؤنی ہے۔ یہ چھوٹا سا قلعہ ہے جس کی اِبتداء ہمارے شیخ و مربی اور

اُستاذِ محترم محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے کی جو جامعہ ہی کے ایک کونے میں آرام فرما ہیں، انہوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے دس فضلاء سے کام شروع کیا۔

میں مخلص مسلمانوں سے کہوں گا کہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان دینی قلعوں کی حفاظت فرمائیں۔ اس لیے کہ پڑھنے پڑھانے والوں کو جو اجر ملتا ہے وہی اجر ان کی حمایت کرنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ دین کی اشاعت میں جو بھی جس درجے میں بھی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا پورا اجر دیتے ہیں، ہم بھی ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ الغرض:

اولائک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

آج ہم اگر ان اداروں سے کٹ جائیں تو ہمیں کون سکھائے گا کہ ماں، بہن، بیٹی سب محارم ہیں، انہی دینی مدارس کے علماء نے سکھایا کہ کس سے نکاح ہوسکتا ہے اور کیسے ہوسکتا ہے اور تم اللہ کے نام پر دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرو گے تب تم خاوند و بیوی بنو گے اور تمہاری اولاد کا سلسلہ شروع ہوگا اور حلال و حرام چیزوں کا علم آئے گا۔

اس لیے دینی علم وہی قابل اعتماد ہے جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وَسلم سے سند متصل کے ساتھ پہنچا ہے۔ اگر ہم اپنے مطالعہ سے دین کی نئی نئی تعبیرات کریں گے تو یہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ اس لیے اگر ہر فتنہ کی سرکوبی اور دین کی حفاظت مطلوب ہے تو اُن اداروں کو مضبوط کیجیے جہاں یہ انبیاء علیہم السلام کے جانشین اور دین کی حفاظت اور اس کا دفاع کرنے والے رِجالِ کار پیدا ہوتے ہیں۔

بہرحال یہ دینی ادارے اور یہ دین حضور صلی اللہ علیہ وَسلم سے چلا آرہا ہے اور جب تک اللہ کو منظور ہوگا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ ☆☆☆☆

رسالہ ''الشریعہ'' کے برے اثرات

صرف ونحو کے مشہور استاد حضرت مولانا اشرف شاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ یہ عاجز اُن کے مدرسہ میں حاضر ہوا، اُن کے صاحبزادے مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، حضرت مفتی صاحب نے خود ہی محمد عمار (خان ناصر) صاحب کے رسالہ ''الشریعہ'' کے بارے میں بات کی، فرمانے لگے کہ: ہمارے پاس وہ رسالہ اعزازی طور پر آتا تھا، یعنی اس کے لیے چندہ کچھ نہ دینا پڑتا تھا، مگر اس کو پڑھ کر طبیعت پریشان ہوتی، بجائے تسلی کے دین کے بارے میں وسوسے اور شکوک وشبہات پیدا ہوتے، تو ہم نے وہ رسالہ بند کروادیا۔

[رجم کی شرعی حیثیت: ۲۱۲، مؤلفہ: تلمیذ امام اہل سنتؒ مولانا سیف الرحمٰن قاسم [سابق مدرس: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ]

جناب محمد دین جوہر

ایک شیخ الحدیث صاحب سے افسوس ناک ملاقات

محمد دین جوہر صاحب صادق آباد کی ایک علمی وادبی شخصیت ہیں، انہوں نے کچھ عرصہ قبل جناب مفتی محمد زاہد صاحب شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد سے اپنی ایک پرانی ملاقات کا حال ایک مضمون کی صورت میں قلم بند کیا، اس مضمون میں انہوں نے جناب مفتی محمد زاہد صاحب کی طرف جن اُفکار ونظریات کا انتساب کیا ہے، اگر یہ انتساب درست ہے تو یہ بہت ہی خطرناک افکار ہیں اور مجلّہ صفدر کے ہی ایک پچھلے شمارے میں شائع شدہ ایک مضمون کے اِن مندرجات کی تائید کرتے ہیں کہ ''مفتی زاہد صاحب فقہی و فروعی اعتبار سے تو دیوبندی ہیں لیکن سیاسی وریاستی فکر کے اعتبار سے پورے علی گڑھی ہیں'' بہر حال! جوہر صاحب کے کے تحریر کردہ ایک ابتدائیے کے ساتھ ان کے مکمل مضمون کو برادرانِ اہل السنۃ والجماعۃ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ دیوبندیت کے نام سے علی گڑھی جراثیم قوم میں پھیلانے والوں کا بروقت سدباب کیا جاسکے، یاد رہے کہ اس مضمون کو پیش کرنے کا مقصد مفتی زاہد صاحب کی شخصیت سے آگاہی ہے نہ کہ جناب جوہر صاحب کے تمام خیالات کی تائید۔[احسن]

(گزشتہ دنوں شیخ الحدیث محترم مفتی محمد زاہد صاحب کے بارے میں سوشل میڈیا پر کافی لے دے ہوتی رہی، اور مختلف اہل علم وفضل اور اہل قلم نے بھی اپنی آرا کا اظہار کیا۔ یہ ساری بحث ہمارے ہاں نالج پولٹکس کی ایک اچھی مثال ہے۔ نالج پولٹکس مکالمے کی موت پر فاتحہ خوانی کی تقریب ہوتی ہے۔ ناچیز کو اس بحث سے کوئی لینا دینا نہیں، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ مجھے آنجناب سے ایک ملاقات یاد آگئی جو تقریباً سات سال قبل اپنے ایک دوست مولانا صاحب کی معیت میں ہوئی تھی۔ یہ ملاقات اس قدر اذیت ناک رہی کہ اس کا تاثر کبھی زائل نہ ہوسکا۔ اس کا بے کم وکاست احوال میں نے ملاقات کے فوراً بعد قلم بند کیا تھا۔ اس کو شائع کرنے کا مقصد اپنی اصلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ احباب یہ رہنمائی فرماسکیں کہ مجھ سے غلطی کہاں ہوئی اور ایسی صورت حال سے کیونکر بچا جاسکتا ہے۔ میں نے دوست مولانا صاحب کا نام تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ملاقات ۱۵ر فروری ۲۰۱۱ء کو مفتی صاحب کے گھر پر ہوئی تھی۔)

مولانا جناب امین اللہ خان صاحب، نائب مہتمم مدرسہ...... سے ناچیز کی پرانی عقیدت اور نیازمندی ہے۔ حال ہی میں اُن سے ایک ملاقات اور گفتگو پر اندازہ ہوا کہ وہ ایک ایسا مدرسہ بنانے جا رہے ہیں جو اپنے طالبعلموں کو ایسے شخصی وسائل سے آراستہ کر سکے گا جن کی ضرورت جدید عہد میں زندگی گزارنے کے لیے قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے۔ اور مزید یہ کہ ان کے طلبا دینی علوم میں بھی مطلوبہ تعلیمی معیارات سے

بہرہ مند ہوں گے۔ اِس مقصد کے لیے انہوں نے ایک مطالعاتی دورے کا پروگرام بنایا تاکہ وہ اپنے مشاہدے اور تجربے کو وسعت دے کر، اور اپنے احباب سے مشاورت کے بعد یہ کام کریں تاکہ اس میں غلطی کا امکان کم ہو۔ اِس دورے میں انہوں نے پہلے اسلام آباد جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں پر قائم ایک مدرسے کو بنفس نفیس دیکھ سکیں اور مجھے بھی ساتھ چلنے کا فرمایا۔ ان دنوں میں لاہور میں تھا اور مولانا صاحب بھی وہیں تشریف لے آئے اور ہم دونوں ایک ساتھ اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ اُن کا ارادہ وہاں ایک ایسا مذہبی تعلیمی ادارہ دیکھنے کا تھا جو دارالحکومت سے کچھ فاصلے پر ہے اور شاہراہِ مری پر واقع ہے۔

مولانا صاحب کی معیت میں ہم تقریباً دس بجے صبح اس ادارے میں پہنچے۔ ادارہ دیکھ کر اور وہاں کے ذمہ داران سے ملاقات پر سفر کی ساری کلفت دور ہو گئی۔ اہلِ مدرسہ کی محنت اور دلدہی قابل قدر اور قابل ستائش تھی۔ وہاں کم وسائل میں اچھی تعلیم دینے کی کوشش نہایت حوصلہ افزا تھی۔ اس مدرسے کے پاس جگہ تو کافی تھی اور ایک بڑی اسلامی یونی ورسٹی کا قیام ممکن اور شاید منصوبے میں بھی تھا، لیکن اندازہ ہو رہا تھا کہ وسائل کم ہیں اور تعمیری کاموں میں خاطر خواہ پیشرفت نہیں ہو رہی تھی اور زیادہ تر عمارتیں نامکمل تھیں۔ مدرسے میں بچوں کا نظم وضبط اور کلاسوں میں ان کا کام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ہم کئی گھنٹے مدرسے میں گزارنے کے بعد اجازت کے خواہاں ہوئے اور اسلام آباد واپس آ گئے۔ ہم نے رات وہیں قیام کیا اور اگلے روز فیصل آباد کے لیے روانہ ہوئے، کیونکہ مولانا صاحب کے اس مطالعاتی دورے میں فیصل آباد شامل تھا اور ارادہ یہی تھا کہ وہاں کے مدارس دیکھنے کے بعد، ایک رات قیام کر کے آگے روانہ ہوں گے۔

فیصل آباد میں ہم نے تین مدارس دیکھنے تھے۔ پہلے دو مدارس کا مطالعاتی دورہ کرنے کے بعد مولانا صاحب اس تیسرے مدرسے کے لیے روانہ ہوئے اور ناچیز بھی اردل میں تھا۔ مولانا صاحب پہلے سے وقت لے چکے تھے اور رات کا قیام بھی اسی مدرسے میں طے تھا۔ یہ ایک معروف مدرسہ ہے اور یہاں مطالعاتی دورہ مولانا صاحب کے ایجنڈے میں شامل نہیں تھا کیونکہ وہ اس سے بخوبی واقف تھے۔ اہم تر اور اصل مقصد یہاں کے شیخ الحدیث محترم مفتی محمد زاہد صاحب سے ملاقات تھی تاکہ وہ ان سے اپنے مدرسے کی تنظیم نو کا منصوبہ زیرِ بحث لا سکیں اور اُن کے تجربے، مطالعے اور مشاہدے سے بہرہ مند ہو سکیں، اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اُن کی رہنمائی سے مستفید ہو سکیں۔ لیکن یہ ملاقات نہایت افسوسناک ثابت ہوئی اور نہایت تلخی پر منتج ہوئی، اور ہمیں شکستہ دل وہاں سے بھاگنا پڑا۔ ہم ابھی وہاں سے ایک عزیز کے ہاں شب گزاری کے لیے اچانک پہنچے ہیں۔ مولانا صاحب تو اِس وقت آرام میں ہیں اور میں آج کی اِس ملاقات کا احوال اپنی یادداشت کے لیے لکھنے بیٹھا ہوں۔ مولانا صاحب بھی بڑی ردوقدح کے بعد سوئے ہیں کیونکہ وہ مجھے اِس یادداشت کو قلمبند کرنے سے منع کرتے رہے۔

ہم مغرب سے کچھ دیر قبل مدرسے میں پہنچے اور مغرب کی نماز کے بعد شیخ الحدیث صاحب کو مولانا صاحب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو اُنہوں نے ہمیں بلا لیا۔ ہم دونوں کو ایک طالبعلم کی مشائیت میں مدرسے سے ملحق اُن کے فلیٹ تک لے جایا گیا۔ پہلی منزل پر واقع اُن کے فلیٹ کا جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو ایک بچے نے آکر اُن کی مطالعہ گاہ کا دروازہ کھولا، اور ہم وہاں رکھے ہوئے صوفے پر جا کر بیٹھ گئے اور شیخ الحدیث صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ یہ چھوٹا سا کمرۂ مطالعہ شیخ الحدیث صاحب کی خوش ذوقی کا آئینہ دار تھا۔ فرنیچر اچھا تھا، کتابیں سلیقے سے لگی ہوئی تھیں اور کچھ جمالِ کار کی بے ترتیبی میں تھیں۔ کمرے میں قالین بچھا تھا۔ ہمارے محترم میزبان کے دفتری میز پر ایک ایل سی ڈی سکرین رکھی تھی، جس کی پشت ہماری طرف تھی۔ ایسر کا ایک قیمتی لیپ ٹاپ دوسرے صوفہ پر پڑا چارجنگ پر لگا تھا، جس کا ایک کونا صوفے سے ذرا باہر نکلا ہوا تھا۔ میں نے مشائی طالب علم سے کہا کہ وہ اسے تھوڑا سا آگے سرکا دیں تا کہ یہ گر نہ جائے۔ یہاں کوئی پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد شیخ الحدیث صاحب تشریف لے آئے۔ وہ نہایت پرسکون دکھائی دے رہے تھے اور ان کی شخصیت سے خوش ذوقی جھلکتی تھی۔ انہوں نے گہرے سرمئی رنگ کا سوٹ [شلوار قمیض] پہنا ہوا تھا۔ ڈبل وینٹ اور سلیٹی رنگ کا خوبصورت کوٹ اپنے تضاد رنگ میں بہت بھلا لگ رہا تھا۔ ایک گہرے رنگ کا دھاری دار طویل مفلر شیخ الحدیث صاحب کے گلوگیر تھا، کیونکہ اس کے دو یا تین چکر ان کی گردن پر لپٹے ہوئے تھے۔

شیخ الحدیث صاحب ابھی آکے بیٹھے ہی ہوں گے کہ ان کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ انہوں نے نہایت نفاست اور قدرے بے نیازی سے اپنا موبائل نکالا جو بلیک بیری کا ایک قیمتی سیٹ تھا اور فون سننے لگے۔ فون سننے سے پہلے انہوں نے مولانا صاحب سے اجازت طلب کی اور مجھے لگا کہ وہ بہت مہذب اور سلیقہ شعار بھی ہیں۔ فون سننے کے بعد وہ کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلتے رہے اور بیچ بیچ میں مولانا صاحب سے باتیں بھی کرتے رہے۔ مولانا صاحب نہایت بااعتماد ہیں لیکن ان کے سامنے وہ خاصے سمٹے سمٹائے اور لیے دیے سے رہے۔ وہ اپنے مدرسے کو بہتر بنانے کے لیے اُن کے تجربے اور علم سے استفادے کی خاطر ایک طویل سفر کر کے یہاں تشریف لائے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کم وقت میں زیادہ استفادے کے متمنی تھے اور یکے بعد دیگرے سوال پر سوال کرتے چلے گئے، اور شیخ الحدیث صاحب ذرا اُکتاہٹ سے اُن کے سوالوں کو نہایت مختصر جملوں بھگتاتے رہے اور درس نظامی کی تدریس اور اس کی سالانہ ترتیب کے حوالے سے اپنی آرا سے آگاہ فرماتے رہے۔

مولانا صاحب تو شیخ الحدیث صاحب سے کئی بار مل چکے تھے لیکن میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ میں نے جونہی اُن کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا، اُسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کی صرف گفتگو سنوں گا اور قطعاً کوئی سوال وغیرہ نہیں کروں گا، اور میں نے اس پر سختی سے کاربند رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اِس کی

وجہ یہ رہی کہ وہ تیور سے گفتگو کے آدمی معلوم نہیں پڑ رہے تھے۔لیکن بیچ میں اُنہوں نے کسی کو فون کرنے کے لیے مولانا صاحب سے پھر اجازت چاہی اور کسی سے کال پر بات کرنے لگے تو مولانا صاحب نے نیم سرگوشی میں بہت زور دے کر کہا کہ میں بھی کوئی بات کروں۔ میں نے ٹالنے کے لیے عرض کیا کہ اگر اُنہوں نے چندے التفات کیا تو میں بھی کچھ عرض کروں گا۔جب شیخ الحدیث صاحب نے اپنی فون کال ختم کی تو مولانا صاحب نے میرے تعارف کا اعادہ کیا۔میرا نام بتانے پر اُن کو بھی یاد آ گیا کہ میں نے اُن سے فون پر ایک دفعہ بات بھی کی تھی۔اس کا قصہ کچھ یوں تھا کہ مدارس کے حوالے سے حکومتی پالیسی کے بارے میں اُن کا ایک مدلل مضمون ایک مذہبی رسالے میں شائع ہوا تھا اور میں نے کافی تردد کے بعد اُن کا فون حاصل کر کے ان کو اس پر مبارک باد دی تھی اور خراج عقیدت پیش کیا تھا۔اب میں نے اپنی مبارک باد کا اعادہ کیا اور ان کے مضمون کے حوالے سے ایک آدھ سوال کیا کہ اب مذاکرات کہاں تک پہنچے ہیں۔لیکن انہوں نے میرے سوال کی طرف کچھ التفات کیا اور نہ اس موضوع پر کلام کرنے میں کوئی دلچسپی ظاہر فرمائی۔اس پر میں نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ ہمارے مولانا صاحب کی کوشش کارگر نہ ہوئی اور انہوں نے شیخ الحدیث صاحب سے اپنی گفتگو اور مشاورت جاری رکھی۔ میں بس سامع کے طور پر وہاں موجود رہا اور ان کی گفتگو اور مشورے بڑے غور سے سنتا رہا۔انہوں نے مولانا صاحب کو جو پہلا مشورہ دیا اور کئی بار دہرایا وہ یہ تھا کہ سیاسی پارٹیوں کو اپنے مدرسے سے دور رکھو۔یہ اچھا مشورہ تھا لیکن اس پر انہوں نے زیادہ مفصل بات نہیں کی۔

ناچیز کے ہم سفر مولانا صاحب نے مدرسے پر سوال کرتے کرتے ایک ذرا مختلف بات شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں بیان کرنا شروع کی،اور جتنی دیر وہ یہ بات بتاتے رہے،شیخ الحدیث صاحب کے تیور بدلتے بدلتے قابو سے باہر ہو گئے،اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا کایا کلپ ہو گئی۔مولانا صاحب نے اپنے قیامِ کراچی کے دوران میں محترم جاوید اکبر انصاری صاحب سے اپنی چند ملاقاتوں کا ذکر کیا جس میں انہوں نے سرمایہ داری نظام پر ان کے چند دروس میں شرکت کی تھی۔اور یہی وہ بات تھی جس پر گفتگو میں ایک ایسا افسوناک موڑ آیا کہ پھر خرابی ہی خرابی رہی اور ملاقات تلخی پر ختم ہوئی۔محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کے نام ہی پر شیخ الحدیث صاحب بھڑک اٹھے اور ان کی فکر اور فلسفے پر ایک پر جوش اور غضب ناک لیکن مختصر تقریر کر ڈالی۔ان کی ساری باتوں کو ہفوات اور لغو قرار دیا،اور تفہیم مغرب کے کام اور ایسا کام کرنے والوں کو کچھ دیر کوستے اور سخت برا بھلا کہتے رہے۔اس کے بعد انہوں نے محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کے کسی شاگرد کا ذکر کیا جس سے ان کی کوئی علمی بحث کسی مذہبی رسالے میں چل چکی تھی اور ان تلمیذ کا ذکر کرتے ہوئے وہ بہت دل گرفتہ نظر آئے اور ان کے لہجے میں خاصی تلخی اور غصہ نمایاں ہو گیا۔مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کے نام ہی پر آخر شیخ الحدیث صاحب کا مزاجی توازن اس قدر کیوں

بگڑ گیا اور آخر ان کے شاگرد نے ایسی کیا بات کی تھی کہ جس سے انہیں اتنا رنج پہنچا تھا۔اس وقت مجھے تو محترم جاوید اکبر انصاری صاحب سے کوئی زیادہ تعارف نہیں تھا۔ میں نے ان کا نام ضرور سن رکھا تھا، اور ان کی صرف چند ایک تحریریں ہی دیکھی تھیں لیکن ان کو بالاستیعاب پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔مولانا صاحب تو ان کا ایک کورس بھی لے چکے تھے۔

میرا خیال ہے کہ شیخ الحدیث صاحب نے مولانا صاحب کو محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کا نام لینے پر، ان کا کورس پڑھنے پر اور مجھے یوں خاموش دیکھ کر ان کا نمائندہ سمجھ لیا تھا۔اس طرح ان کو ایک موقع ہاتھ آ گیا جس میں وہ محترم جاوید اکبر انصاری صاحب پر، اور ان کے کسی نامعلوم شاگرد پر جو غصہ تھا اسے نکالنے کے لیے ہمیں قربانی کا بکرا بنا سکیں۔ یہ بات تو میرے خیال میں آ گئی کہ ہوسکتا ہے محترم جاوید اکبر انصاری صاحب سے ان کو کوئی تکلیف پہنچی ہو جس کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑ رہا تھا،لیکن یہ بات میری سمجھ ہی سے بالاتر تھی کہ آخر وہ ساتھ ہی ساتھ تفہیم مغرب کا نام بھی لینے والوں کو القابات سے کیوں نواز رہے تھے۔ان کا شدید غصہ دیکھ کر میں تو خاصا ڈر گیا کہ نامانوس جگہ پر اجنبی لوگوں میں یہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔سوچا کہ نکلنے کی کوئی سبیل کرنی چاہیے۔میں نے ذرا ہمت کر کے بیچ میں نہایت مؤدبانہ عرض کرنے کی جسارت کی کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کا نمائندہ نہیں ہے۔لیکن شیخ الحدیث صاحب نے اپنے مقدس جوشِ غضب میں میری بات نہ صرف سنی اَن سنی کر دی، بلکہ ان کا غصہ بھی دو چند ہو گیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر میرے دوست مولانا صاحب کی تو سٹی گم ہو گئی، اور وہ خاصے گھبرائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔وہ حد درجہ مرنجاں مرنج اور نہایت مہذب آدمی ہیں اور بحث وتکرار سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔میری پریشانی بھی بڑھتی چلی اور افسوس ہونے لگا کہ چلتے چلاتے کہاں آن پھنسے۔دل نے شدت سے چاہا کہ یہاں سے اُٹھ چلیں۔مولانا صاحب تو بالکل ہی حواس باختہ تھے لیکن میں نے اَدب سے، دبے دبے لفظوں میں اجازت طلب کی۔لیکن اپنے بے پایاں غضب میں انہوں نے وہ بھی سنی اَن سنی کر دی۔

اَب شیخ الحدیث صاحب تفہیم مغرب والوں کو کوسنے اور صلواتیں سنانے کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرے کی تعریفیں بھی فرمانے لگے۔اس صورت حال کو دیکھ کر جہاں مجھے اندیشہ ہائے نزدیک کا خوف محسوس ہونے لگا، وہیں مغرب کا دینی دفاع دیکھ کر، اور تفہیم مغرب والوں کا کشتنی ہونا سن کر اس عجوبہ روزگار تقریر میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔لیکن سچی بات ہے میں نقصان کے خوف سے خاموش رہا۔میں سوچ رہا تھا کہ مغرب ”براہِ علی گڑھ“ تو ہمیں جس قدر راس آیا وہ سب جانتے ہیں، اور اب مغرب کی ”براہِ مدرسہ“ تشریف آوری کا جلوس میمنت لزوم نہ جانے کیسا رہے گا۔مجھے یوں لگا کہ براہ اسکول وکالج مغرب ذہن میں اترا، اور اب براہِ مدرسہ دل میں اترے گا۔”پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے“ کی بجائے اب صنم خانے کو اعزازِ

معکوس حاصل ہونے کی زبردست صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ مجھے ایک ایک کر کے مستشرقین کے قضایا یاد آتے رہے جواب ان شیخ الحدیث صاحب کی زبان سے تقدیس لے کر بلکہ شدھی ہو کر ادا ہو رہے تھے۔

شیخ الحدیث صاحب جب ذرا ٹھنڈے ہوئے تو انہوں نے عربی کی ایک کہاوت اُصول کے طور پر بیان فرمائی جس کو اُن کے بقول جاوید اکبر انصاری صاحب کا ’’جاہل‘‘ تلمیذ حدیث سمجھ بیٹھا تھا اور فرمایا کہ ’’جو چیز اچھی ہے وہ لے لو اور جو چیز بری ہے وہ رد کر دو‘‘، اور مزید گویا ہوئے کہ ہم یہ اُصول مغرب پر بھی لاگو کریں گے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!! اِسی ایک کہاوت پر ہمارے علما نے ڈیڑھ صدی سے اپنا کام چلا رکھا ہے کہ گویا چیزوں کو اچھا برا کہنے کے اختیار سے ہی جدیدیت کی طغیانی کو روک لیں گے۔ میرے مولانا صاحب تو ابھی تک سناٹے میں ہکا بکا تھے کہ شیخ الحدیث صاحب نے روئے سخن اُن کی طرف کر کے، ذرا زور دے کر، یہ کہاوت اُن کو سنائی اور بتائی تو وہ ذرا جھینپ گئے۔ یہی وہ کہاوت تھی جو اصل الاصول کے طور پر ہمارے مولانا صاحب بھی ہمیں اکثر سنایا کرتے تھے۔ اب یہ اُلٹے بانس بریلی کو آتے دیکھے تو قدرے بے بسی سے اُنہوں نے میری طرف دیکھا۔ ایک دلچسپ صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ میں تو ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ چلو اُصول تو یہ ہو گیا، اور اُصول کے آگے پیچھے جو علم ہوتا ہے، جو نظریہ اُصول اور اَعمال جنتا ہے وہ بھی تو کہیں ہو گا۔ علم کے بغیر اُصول اور اُصول کے بغیر علم، کارِ بے معنی ہے، اور ہمارا اَب تک کا سب سے بڑا اِعزاز بھی یہی ہے۔

بہر حال جب میں نے مولانا صاحب کو سکتے میں دیکھا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے شیخ الحدیث صاحب کے سیلِ تقریر کے آگے سوالات کے چند روڑے اَٹکائے تو معاملہ بگڑ گیا اور آخر کار تلخی پر منتج ہوا۔ بار بار معذرت کے باوجود مولانا کا غضب ٹھنڈا نہ ہوا اور آخر کار ہم بلا اجازت ہی وہاں سے روانہ ہوئے، اگرچہ ہمارا رات کو قیام وہیں تھا اور یہ بات ہمارے میزبان کے علم میں بھی تھی۔ مذہبی معاشرت کا ایسا شرمناک نمونہ میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نہ علم، نہ معاشرت، نہ کردار۔

قصہ کچھ یوں ہوا کہ جب میں نے عرض کیا کہ وہ کیا معیارات ہوں گے جن کی بنیاد پر ہم مغرب کے اچھے برے کا فیصلہ کریں گے، اور کیا اِس اَمر کے لیے تفہیم مغرب پر مبنی کسی ’’علمی بیان‘‘ کی ضرورت ہو گی یا نہیں، تو اِس پر اُن کو ایسا غصہ آیا، ایسا غصہ آیا جو آخر دم تک بڑھتا ہی رہا اور ہمارے مہمان ہونے کے باوجود انہوں نے تذلیل کا ایسا افسوسناک رویہ اختیار کیا کہ ہمیں وہاں سے اٹھ کر ہی آنا پڑا۔ انہوں نے فرمایا کہ تفہیم مغرب کی بات کرنے والے منافق ہیں کہ وہ خود تو مغرب کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں لیکن باقی قوم کو اس سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ قوم کو پیچھے کی طرف لے کر جانا چاہتے ہیں اور ترقی سے دور کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے میری اِسی بات کو لیا، ایک ایک کر کے میرے الفاظ کو زیر لب مسکرا کر اونچی آواز میں

دہرایا اور چبا چبا کر حد درجہ تحقیر سے کہا کہ ''تفہیم مغرب'' اور ''علمی بیان'' جیسے الفاظ محض ''فلسفہ بازی'' ہے۔

انہوں نے میرے ادا کردہ الفاظ ''تفہیم مغرب'' اور ''علمی بیان'' کو اپنے دانتوں میں کافی خلا کے باوجود کئی دفعہ چبا چبا کر دہرایا تو میں نے اُن کے تحقیری رویے اور اپنی تذلیل پر احتجاج کیا اور عرض کیا کہ اچھا تو حضرت آپ کس ''بازی'' کے حامی ہیں؟ اِس سوال پر وہ بھڑک اٹھے اور بات کا جواب دینے کے بجائے فرمانے لگے کہ میں تفہیم مغرب والوں کے بارے میں ایک رائے پہلے سے رکھتا ہوں اور تمہارے رویے سے اس کی تصدیق ہوگئی ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اِس سفر پر جانے سے پہلے میں نے ایک مضمون مکمل کیا تھا ''تفہیم مغرب اور اس کے خطرات''۔ مجھے یوں معلوم ہوا کہ میں اس مضمون کے مشمولات کو تجربے سے گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا اندازہ بہت اچھی طرح ہو چکا ہے کہ اب ہمارے مذہبی طبقے نے شدہ شدہ وہی کام بہت جوش سے کرنا ہے جو سرسید نے ڈیڑھ صدی پہلے کیا تھا۔لیکن سرسید نے جو کام نہایت دردمندی، سلیقے اور سبھاؤ سے کیا تھا، وہ اہل مدارس کے تصور سے بھی باہر ہے۔

میرے سوال پر شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ ہم اسلام سے اُصول لیں گے، (مراد وہی کہاوت تھی) اور مغرب کے نتائج دیکھ کر فیصلہ کریں گے، یعنی اسلام کے ''اصولوں'' کا مغرب کے ''نتائج'' (یعنی ٹیکنالوجی اور جمہوری معاشرہ) سے موازنہ کر کے فیصلہ کریں گے کہ کیا لینا ہے اور کیا نہیں لینا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی نئی منہج علمی ہے جہاں اُصولوں کا اُصولوں سے موازنہ نہیں ہوسکتا؟ تو اس پر وہ مزید برافروختہ ہوگئے اور فرمانے لگے کہ ہمارا دین تو ایک کتاب ہے جو ایک رسول نے ہمیں دی ہے۔ مغرب میں ایسا نہیں ہے کہ وہاں ایک کتاب ہو۔ وہاں تو علم کی چیزیں بہت پھیلی ہوئی ہیں اِس لیے وہاں اصولِ علم کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اِن باتوں کو ہم اُن کے مستند علمی نمائندوں سے معلوم کر سکتے ہیں، تو اُن کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا اور اچانک سے پوری اسلامی تاریخ پر ایک زبردست حملہ کیا اور چوکھی لڑتے ہوئے ملوکیت کے خلاف بھی بولنے لگے۔ اپنے جوش میں پوری مسلم تاریخ پر مستشرقین کے گھسے پٹے اعتراضات کو دینی لبادہ اوڑھا کر پیش فرمانے لگے۔ انہوں نے مغلیہ سلطنت اور خلافت عثمانیہ کو بدترین انسانوں کی فرمانروائی قرار دیا اور فرمانے لگے کہ سارے مغل اور عثمانی حکمرانوں سے آصف علی زرداری نا قابل موازنہ حد تک بہتر ہے۔ ہمیں بھی کوئی شوق نہ تھا کہ مغلوں، عثمانیوں، زرداریوں اور مولویوں کے جھگڑے میں پڑیں، لیکن ہم نے وجہِ فضیلت ضرور جاننے کی کوشش کی، جو اظہارِ خیال کی آزادی سامنے آئی۔

مجھے سخت حیرت ہوئی کہ ایسی فتح تو مستشرقین کے تصور میں بھی نہیں آئی ہوگی کہ ہمارے علمائے کرام اُن کے علمی اور تاریخی قضایا ہی کو آگے بڑھائیں گے۔ بہر حال اِس کے بعد وہ فرمانے لگے کہ سعودی عرب سے زیادہ انصاف تو برطانیہ میں ہوتا ہے، گویا ہم وہاں سعودی عرب کے نمائندے بن کر گئے تھے! وہ

خاصی دیر سعودی عرب میں ظلم کے خلاف اور برطانیہ میں انصاف کی بالادستی کے حق میں تقریر فرماتے رہے، تو خیال آیا کہ شیخ الحدیث صاحب نے آزادی اظہار کو کمرے تک ہی محدود کر رکھا ہے، اور لوگ بیخبری میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے جب اُن کی اِس بات سے اتفاق کیا اور عرض کیا کہ اَب اِس کا نتیجہ بھی ارشاد فرمائیں کہ کیا ہمیں اسلام کی بجائے اسی نظام کو نافذ کر دینا چاہیے، جو مغرب میں رائج ہے؟ تو اُنہوں نے تاکیداً اِرشاد فرمایا کہ: بالکل، بالکل۔ انہوں نے فرمایا کہ چند ایک چھوٹی موٹی چیزوں کی ممانعت کے بعد وہی برطانوی نظام ہی عین اسلامی ہے۔ بیچ بیچ میں وہ میری تحقیر کے لیے مجھے ''ملک معظم'' کہہ کر مخاطب کرتے رہے، اور بار بار مجھے کہتے رہے کہ تم تو میری زباں بندی مغلیہ اور عثمانی بادشاہوں کی طرح کرنا چاہتے ہو۔ آنجناب کی تقریر سے ہمیں برطانوی راج کی وہ ساری برکات ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں جو ہمیں نصابوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ لیکن میں چپ رہا، اور یہ عرض نہیں گزرانی کہ بھئی جوش میں آنے اور غم کھانے کی کیا ضرورت ہے، یہی برطانوی نظام تو یہاں دو صدیوں سے رائج ہے۔ اس میں کانٹے کی بات یہ ہے کہ اسے ہم نے نافذ نہیں کیا بلکہ نظام کے اصل مالکان نے اسے یہاں قائم کیا تھا، اس لیے اس کے اصلی ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ہمیں تو بس کسی یوم شکر کا تعین کرنے کی ضرورت ہے جو ہم مغلوں سے نجات پر ہر سال منایا کریں گے!

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ جناب کی طرح اور جناب کے انداز میں جمہوریت، سرمایہ داری نظام اور مغربی معاشرے کو عین تقاضائے فطرت کہنے والے علما تو اب تعداد میں کافی ہو گئے ہیں۔ تو فرمایا کہ ہاں یہ سب کچھ عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس پر وہ بڑی دلیل لائے اور غضبناک ہو کر فرمایا کہ تمہیں یہ کیوں نظر نہیں آتا کہ کوئی غیر فطرتی نظام دو ڈھائی سو سال تک چل سکتا ہے؟ شیخ الحدیث صاحب کی مراد مغربی نظام سرمایہ داری اور جمہوریت سے تھی۔ یہاں تک آتے آتے گفتگو اتنی تلخ ہو چکی تھی کہ میں نے انہیں یاد دہانی نہیں کرائی کہ شرک فطرت انسانی کی عین ضد ہے اور شرک پر مبنی تہذیبیں ہزاروں سال تک دنیا میں قائم رہی ہیں۔ اور یہ کہ اگر سرمایہ داری نظام جتنا استبدادی جبر، جنگی قوت، محکوم قوموں کے معاشی وسائل پر قبضہ اور میڈیائی دلکشی فراہم ہو جائے تو ایسے نظام کو بھی ہزاروں سال تک قائم رکھا جا سکتا ہے۔

جمہوریت پر بات کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ یہ نظام خلافت راشدہ کے علاوہ باقی ہر نظام سے بہتر ہے جو مسلمانوں نے آج تک آزمایا ہے۔ خیال آیا کہ خلافتِ راشدہ کا تکلف بھی اب نہ جانے کتنے دن چلے۔ میں نے عرض کیا کہ خلافت راشدہ کا علمی بیان کیا ہے؟ ''علمی بیان'' کی ترکیب سے انہیں خاص چڑ تھی، اور میں نے اسے ہی اپنی آخری دفاعی لائن بنا لیا تھا۔ اس پر غضب فزوں تر ہوا اور فرمانے لگے کہ وہ پہلے دو خلفا کے افتتاحی خطبات ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہیں؟ تو فرمانے لگے کہ وہ دو فقرے پہلے خلیفہ

کے ہیں اور باقی دو فقرے دوسرے خلیفہ کے۔ تو میں نے عرض کیا کہ خلافت راشدہ جو ہمارا آئیڈیل ہے کیا اس میں باقی دو خلفائے راشدین شامل نہیں ہوں گے؟ تو فرمانے لگے کہ میں ابھی اُن کی بات اِس لیے نہیں کر رہا کہ تم نے ان پر سوالات کرنے ہیں اور اس پر وقت بہت صرف ہوگا جو میرے پاس نہیں ہے۔ ان کے کشفِ قلوب کا ملکہ پہلے بھی اس طرح کے کافی بیانات میں ظاہر ہو چکا تھا۔

میں نے عرض کیا اپنے آئیڈیل پر ان چار عزیز از جاں فقروں کے علاوہ بھی ہمارے پاس کچھ ہے؟ کیا ہم نے ان خطبات کو اپنی سیاست اور معاشرت کے ایسے کسی علمی بیان میں ڈھالنے کی ذمہ داری کو بھی پورا کیا ہے کہ وہ آج کے عہد میں قابل فہم اور relevant ہو جائیں؟ اور وہ کیا علمی بیانات ہیں جن کی بنیاد پر ہم عصر حاضر کے سیاسی نظریات پر گفتگو کریں گے؟ تو انہیں جھٹ سے قرارداد مقاصد یاد آ گئی اور اس کے حق میں تقریر ارزانی فرمانے لگے۔ میں نے اتفاق کرتے ہوئے عرض کیا کہ قرارداد مقاصد ہمارے قومی دینی نمائندوں کی بہت بڑی فتح ہے، اور ہمارے لیے تو قابل فخر ہے۔ لیکن اگر ہم خلافت راشدہ کو آج کے دور میں نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ان چار فقروں سے کیسے رہنمائی حاصل کریں گے؟ تو فرمانے لگے کہ صرف جمہوریت ہی خلافت راشدہ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نظام خلافت راشدہ کی روح نہیں رکھتا۔ اب تک ہمیں اندازہ ہو چکا تھا کہ شیخ الحدیث صاحب مغرب پر کوئی بات سننے کے روادار نہیں، اور چند ایک تبدیلیوں کے ساتھ وہی نظام یہاں نافذ کرنے کے حامی ہیں۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے نہایت ذلت آمیز طریقے سے شاید بیسیوں مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں تفہیم مغرب کی بات کرنے والوں کے بارے میں ایک رائے رکھتا ہوں، جس کی آپ نے تصدیق کر دی ہے۔ لیکن ”منافق“ کہنے کے علاوہ انہوں نے اپنی رائے کا مزید انکشاف نہیں فرمایا۔ لیکن ہمیں اب تک عملی طور پر یقیناً معلوم ہو چکا تھا کہ وہ رائے کیا ہو سکتی ہے۔

بیچ میں شیخ الحدیث صاحب نے دم لیتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عصر حاضر کی فہم پر بات کرنا ایک نہایت درجے کی لغو بات ہے کیونکہ ہر انسان کو اپنے عہد کی فہم از خود حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے اپنی کتابوں کی الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جو فلاں کتاب نظر آ رہی ہے وہ ”قصة الحضارہ“ ہے جو مغرب کی پوری تفہیم عطا کرتی ہے۔ ہمیں سرزنش کے انداز میں فرمایا کہ وہ اس کتاب کے براہ راست مطالعے کے بعد ان آرا پر پہنچے ہیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ شیخ الحدیث صاحب ذاتیات پر اتر آئے ہیں، اور مسلسل ہماری نیت پر حملہ کر رہے ہیں۔ میں نے درمیان میں کئی دفعہ بات روکی اور ان سے اجازت چاہی لیکن وہ اپنی نفرت کا بھرپور اظہار کیے بغیر شاید اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔

اب ہم اُٹھ کھڑے ہوئے اور شیخ الحدیث صاحب سے اجازت چاہی۔ اس پر وہ الزام بازی پر اتر آئے اور تو تکار فرمانے لگے۔ اور بہت سخت لہجے میں فرمایا کہ: تم میرے گھر میں آ کر میری بے عزتی کر کے جا

رہے ہو! تم ہوتے کون ہو؟ وغیرہ وغیرہ اور اس طرح کی اور بھی بہت سخت باتیں فرمائیں۔ مجھے سخت پریشانی ہوگئی کہ صورت حال کہیں قابو سے باہر ہی نہ ہو جائے۔ میں نے پھر معذرت کی۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ جب تک تم اپنی غلطی تسلیم نہیں کرو گے معذرت قبول نہیں ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے تو بدلنے والا نہیں ہوں، ہاں اخلاقی بنیادوں پر اپنے ہر اس رویے کی معذرت چاہتا ہوں جس سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو۔ اس پر تو وہ پھٹ پڑے اور اصل بات میری سمجھ میں بھی آ گئی۔ وہ چنگھاڑتے ہوئے فرمانے لگے کہ تم وہ لوگ ہو جو مغرب کے خلاف باتیں کرتے ہو، بڑے بڑے اداروں میں اچھی نوکریوں پر اچھی تنخواہوں پر کام کرتے ہو، اور ایک ہم ہیں کہ مدارس میں فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ روہانسے ہو کر فرمانے لگے کہ مجھے اسلامی یونیورسٹی میں اعلیٰ گریڈ پر ملازمت کی پیش کش ہوئی تھی، جو میں نے صرف اس مدرسے کے لیے قبول نہیں کی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ابھی وہاں روانہ ہو جائیں، ہمیں آپ کی ترقی پر خوشی ہوگی۔

وہ محترم جاوید اکبر انصاری صاحب کے تلمیذ کا غصہ ہم پر نکال رہے تھے کیونکہ وہ شاید کسی جدید یونیورسٹی میں اچھے مشاہرے پر استاد ہیں۔ لیکن اس میں ہمارا تو کوئی قصور ہم پر واضح نہیں ہوا کہ اگر شیخ الحدیث صاحب اس مدرساتی نظام میں پھنسے ہوئے ہیں تو اس پر ہم کیسے ذمہ دار ہیں؟ انہیں چاہیے کہ وہ اپنے نظریات عام کریں اور ان پر کوئی کتاب تحریر فرمائیں تو مجھے یقین ہے کہ ہارورڈ والے ان کو فل پروفیسر بنانے پر بھی غور کر سکتے ہیں۔ نہ جانے شیخ الحدیث صاحب کو یہ کیوں معلوم نہیں تھا کہ اس طرح کے خیالات تو آج کل بہت قیمتی ہیں اور مغرب میں ان کے بڑے اچھے دام لگتے ہیں۔ اگر وہ تھوڑی سی بھی تفہیمِ مغرب کے حامل ہوتے تو شاید ان کو یہی فائدہ ہو جاتا کہ مدرسے سے رہائی مل جاتی۔ لیکن مجھے یقیناً معلوم ہو گیا تھا کہ روٹی پانی کے مسائل وجودی اہمیت اختیار کر جائیں تو علم کی ہر بات فلسفہ بازی ہی معلوم ہوتی ہے، اور صرف نوکریاں ہی اہم رہ جاتی ہیں۔ اور یہ کہ جس نظام کا لبھاؤ حسرت بن کر دل میں گھر کر جائے، اس نظام کو ایقان کی جگہ لیتے دیر نہیں لگتی۔

ہم نہایت دلگیری میں وہاں سے چلے آئے اور میں سوچتا رہا کہ وہ دینی معاشرت کو کیا ہوا، وہ خوئے میزبانی کدھر گئی، اور ہمارے تہذیب کے ریگزاروں میں سرگرداں روح غزالی کو اب کہیں ٹھکانا بھی ملے گا یا نہیں؟ لیکن وہاں حالات اس قدر سنگین ہو گئے اور مجھے جان کے ایسے لالے پڑے کہ روح غزالی بھول بھال گئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے ہم سفر مولانا صاحب تو اپنی ملائیت کا واسطہ دے دلا کر بچ ہی جائیں گے، اور تفہیمِ مغرب کے الزام کو اسلام دشمنی قرار دے کر ہمیں دھر لیا جائے گا۔ یہ بھی کوئی بعید نہ تھا کہ اس صورت حال میں کوئی جانی نقصان ہی پہنچ جاتا۔ اپنے لیے کوئی گوشہ عافیت تلاش کرنے اور شب باشی کا ٹھکانہ ڈھونڈنے کے لیے ہم وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆

محمد اسماعیل ڈیروی
یکے از خدام حضرت شیخ العصر، مدرس: جامعہ حسین ابن علی، خانیوال

قدوۃ السالکین حضرت شیخ العصر ڈیروی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

فقیر لکھنے کی استعداد سے عاری بھی اور نا تجربہ کار بھی مگر پھر بھی حضرت شیخ العصر ڈیروی رحمہ اللہ کے متعلقین میں نام درج کرانے کی ادنیٰ سی کوشش کررہا ہے

میری بھی طرف تو کبھی مرے یوسف
بڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں

عالم کون وفساد میں جو آیا وہ جانے کے لیے آیا۔سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے کسی کو بقاء حاصل نہیں۔ ہر ذی روح پر موت کا آنا قانون اٹل ہے۔اس عالم رنگ و بو موت وحیات کا محکم نظام نافذ ہے۔ جس کے نفاذ کو کوئی طاقت نہ ٹال سکتی ہے اور نہ ہی مؤخر کرسکتی ہے۔تاہم موت ایک پل ہے جیسا کہ کہا گیا ہے الموت جسر یصل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملاتی ہے۔

اس سب کے باوجود بعض شخصیات تو ایسی ہوتی ہیں جن کا وجود محبت احباب کے دلوں میں ایسا رچ بس جاتا ہے جو نکلنے کا نام نہیں لیتا اس کی چند وجوہ ہوتی ہیں۔لیکن حلقہ اہل علم وفضل میں ایک ممتاز وجہ جامعیت یعنی علم وتقویٰ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، زہد وتواضع، اعتدال پسندی، اتباع سنت میں شغف، حق گوئی اور راست بازی، تدین وغم خواری وغیرہ کا جامع ہونا ہے۔ایسی شخصیات کی موت عام موت نہیں ہوتی بلکہ گویا اِن صفات کی موت ہوتی ہے۔

ایسی جامعیت کے لوگ خال خال ہوتے ہیں اور کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے اُٹھ جانے کے کچھ عرصہ بعد پسماندگان ومحبین کا غم وفراق ہلکا ہوجاتا ہے اور آہستہ آہستہ کم ہوتے ہوتے ختم ہوجاتا ہے اور زندگی اپنے معمول پر چل پڑتی ہے۔لیکن بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا وجود کئی انسانوں کے لیے مثل روح کے ہوتا ہے۔جب وہ اٹھ جاتی ہیں تو پیچھے رہنے والوں کے دلی اضطراب کو چھوڑ جاتی ہیں۔

انہی عظیم اور مبارک ہستیوں میں سے ایک ہستی قدوۃ السالکین ،یادگار اسلاف، پیر طریقت حضرت مولانا محمد عبد القادر ڈیروی نور اللہ مرقدہ ہیں جو مورخہ ۲۰/شوال ۱۴۳۹ھ بمطابق ۴/جولائی ۲۰۱۸ء

بروز بدھ رات ۱۱ بجے دل کا دورہ پڑنے سے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

بجھا چراغ اُٹھی بزم اَب کھل کے رو اے دل
وہ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

آپ ایک عظیم روحانی پیشوا، باکمال متکلم، اسلاف کی روایات کے امین اور علماء دیوبند کے حقیقی جانشین تھے۔حق گوئی اور بے باکی حضرت شیخ العصر رحمہ اللہ کی امتیازی وصف تھی لا یخافون لومۃ لائم کے مصداق تھے۔آپ کا چہرۂ انور بارعب، پر وقار تھا۔ جب بھی زیارت ہوتی چہرۂ اَنور پر بشاشت وطلوقت، قناعت وزہد نمایاں ہوتا۔

پیدائش: آپ تقریباً ۱۹۴۴ء کو ڈیرہ غازی خاں سے چالیس کلو میٹر دور ''درّی ڈھو کے والی'' کے قریب بستی ''چاہ ولی محمد والا'' میں حضرت ولی محمد خانؒ کے گھر پیدا ہوئے۔آپ کے والد انتہائی نیک آدمی تھے، بندہ کو دادا جان نے بتایا کہ ولی محمد خانؒ کے گھر میں ایک گھوڑی صرف اس لیے رکھی ہوئی تھی کہ جمعہ کے دن اس پر سوار ہو کر قبرستان جاتے تھے۔

دینی تعلیم: آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا ہوا تھا، اگرچہ حافظ نہ تھے لیکن صحیح تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے باقاعدہ تین سالہ تجوید کورس کیا ہوا تھا۔صرف ونحو کی ابتدائی کتب جامعہ قاسم العلوم پیارے والی مسجد ڈیرہ غازی خاں میں پڑھیں۔ باقی کتب مختلف مقامات پر پڑھتے رہے۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اور بخاری شریف حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد مولانا قاضی دوست محمد جعفرؒ سے پڑھیں۔ دورہ تفسیر ۱۹۶۲ء میں مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ سے پڑھا اور عصری تعلیم ایف اے تک حاصل کی۔

اصلاحی تعلق: اول بیعت حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ سے کی، کسب فیض حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی سے کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ گدائی شریف ڈیرہ غازی خاں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تکمیل فرمائی، اسی دوران خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا۔

خلافت واجازت: سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں کوئٹہ کے نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ سید جلال الدین افغانی رحمہ اللہ نے آپ کو خلافت سے نوازا جبکہ آپ کی عمر اس وقت ۲۶/سال تھی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ کامل حضرت مولانا علی المرتضیٰ رحمہ اللہ گدائی شریف ڈیرہ غازی خاں نے آپ کو چاروں سلسلوں میں خلافت سے نوازا۔ سلسلہ قادریہ راشدیہ میں حضرت مولانا جمیل احمد میواتی دہلوی رحمہ اللہ رائے ونڈ والوں نے خلافت سے نوازا۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں کسب فیض کے لیے حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت صوفی محمد اقبال قریشی رحمہ اللہ

نے خلافت سے نوازا۔

پھر جب ولایت کے اتنے دریاؤں سے سیرابی حاصل کر لی تو یہ دریا جدھر رخ کرتا گیا رنگ لاتا گیا۔ اس سب کچھ کے باوجود حضرت میں تواضع وانکساری کامل درجہ کی تھی۔ جب بھی بندہ در اقدس پر حاضر ہوا تو پوچھتے کون؟ بندہ کہتا فقیر تو خود از راہ شفقت تشریف لاتے ہاتھ میں چٹائی ہوتی باہر بیٹھ جاتے اور کبھی حویلی کے اندر اپنے خاص کمرہ میں لے جاتے۔ مزید شرم سار اس وقت کرتے جب بندہ اجازت لیتا تو حضرت خود چھوڑنے آتے، بار بار منع کے باوجود فرماتے آپ میری قوم میں عالم ہیں، کوئی بات نہیں۔

حضرت شیخ العصر رحمہ اللہ ہزاروں علماء وطلباء، خواص وعام کے مربی ومرشد ہونے کے باوجود ہر ایک کے لیے شفقت ومحبت ماں باپ کی محبت وشفقت سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ اپنے معاصرین ومریدین سے تواضع وانکساری کا ایسا سلوک فرماتے کہ بے اختیار یہ شعر لبوں پر آجاتا تھا

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال   کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شد

درس وتدریس: حضرت نے ابتداء میں کوئٹہ کے اندر ایک سکول میں اسلامیات کے استاد مقرر ہوئے۔ اسی دوران آپ نے دورہ تفسیر کے طرز پر قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر پڑھایا اور اسی دورن علامہ صدر الشریعہ کی مشہور اور ادق کتاب کنز الدقائق کا درس بھی دیتے تھے۔

امامت وخطابت: کچھ عرصہ تک کوئٹہ میں جامع مسجد عمر اور جامع مسجد بلال میں امامت وخطابت کی۔ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۲ء تک کوئٹہ میں چلتن مارکیٹ کی مرکزی جامع مسجد نعمان میں مسلسل دس سال تک خطیب رہے۔ ۱۹۸۲ء سے تا وفات ڈیرہ غازی خاں کے مشہور ادارہ درسگاہ نیازیہ کی جامع مسجد حنفیہ میں خطیب رہے۔

تحریکی سرگرمیاں: ۱۹۶۷ء سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت میں قادیانیت کے خلاف کام کا آغاز کیا۔ صوبہ بلوچستان میں شرک وبدعت کے خلاف جہاد کیا۔ جمعیت علماء اسلام کی ڈیرہ غازی خاں تنظیم سازی میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۶۹ء میں جب ضلع ژوب میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر قائم ہوا تو مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبد الرحیم اشعر رحمہ اللہ کی سرپرستی اور رفاقت میں صوبہ بھر کے کئی بار دورے کیے۔ ۱۹۸۲ء میں بدعات ورسومات کے رد میں کتاب وسنت کے احیاء کے لیے مرکزی تحریک احیاء وسنت پاکستان کی بنیاد رکھی۔ بلوچستان میں پروفیسر فیض احمد ربّانی کے ساتھ مل کر ایک دینی ادارہ معارف القرآن کے نام سے قائم کیا۔

پھر ۱۹۸۲ء میں بدعات ورسومات کے تردید میں تحریک چلانے اور ربیع الاول کے جلوسوں پر

حکومت سے پابندی کے مطالبے کی پاداش میں ''مچھ جیل'' میں نظر بند کر دیئے گئے۔ بیس دن بعد غیر معینہ مدت کے لیے صوبہ بدر کر دیئے گئے۔ کوئٹہ سے واپسی پر اپنے آبائی گاؤں چاہ ولی محمد والا میں ایک دینی ادارہ جامعہ محمدیہ تدریس القرآن اور خانقاہ فاروقیہ مجددیہ کی بنیاد رکھی۔

سفر حرمین: ۱۹۷۲ء سے ۲۰۱۸ء تک بیس سے زائد مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی جبکہ عمروں کی تعداد لاتعد ولاتحصی ہے۔

الحمدللہ حضرت والا پورے ملک میں عموماً اور جنوبی پنجاب میں خصوصا بلا مبالغہ ولی کامل روحانی شخصیت تسلیم کیے جاتے تھے اور بے شمار علماء وطلباء، صلحاء وعوام اپنی تقریبات میں حضرت کی شرکت کو اپنی سعادت سمجھتے، خاص کر چند سالوں سے بڑے بڑے مدارس اسلامیہ اپنی اختتامی تقریبات میں حضرت کی تشریف آوری کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے اس وقت حضرت کی شہرت کا سورج عین بلندی پر تھا ؎

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا　　　ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

حضرت والا نے ہمیشہ حق اور اہل حق کا دفاع کیا خاص کر خانقاہی نظام کے احیاء کے لیے ہمیشہ بڑے فکر مند رہے تھے۔ اکابر علماء بزگوں کے ملفوظات کو روزنامہ اسلام میں ہزاروں روپے لگا کر شائع کیا۔ جن کو پورے ملک میں بڑی اچھی نگاہ سے دیکھا گیا، اور ان کے دُوررَس اثرات مرتب ہوئے۔

نمازِ جنازہ: حضرات صاحبزدگان ومحبین نے علماء وصلحاء سے مسلسل مشاورت کے بعد یہ فیصلہ فرمایا کہ نماز جنازہ چار بجے ڈیرہ غازی خاں کے کمپنی باغ کے وسیع وعریض ہاکی ہال میدان میں ادا کی جائے گی۔ ظہر کی نماز کے بعد عشّاق ومعتقدین مقررہ جگہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد حضرت کے جسدِ خاکی کو ایمبولنس کے ذریعے ڈیرہ غازی خاں لے جایا گیا۔ مقامی علماء کرام نے مقررہ جگہ میں بھرپور انتظامات کر رکھے تھے۔ لاکھوں کی تعداد میں شرکاء کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی۔ مقررہ وقت پر متعلقہ گراؤنڈ اپنی تمام تر وسعت کے باوجود تنگ دانی پر شکوہ کناں تھا۔ ڈیرہ غازی خاں نے اپنی تاریخ میں شاید اتنا بڑا جنازہ نہ دیکھا ہو۔

نماز جنازہ سے پہلے علماء وصلحاء نے حضرت شیخ العصر رحمہ اللہ کو انکی دینی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا۔ نماز جنازہ سے پہلے حضرت کے صاحبزادے مولانا محمد احمد ڈیروی نے سب حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ العصر رحمہ اللہ کی وصیت کے مطابق کی نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ شرف الاسلام چوک سرور شہید والوں نے پڑھائی۔

(**بقیہ** صفحہ نمبر 11 پر)

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط:۲

جاوید احمد غامدی......بعض اَفکار کا محققانہ جائزہ

آیاتِ کلامُ اللہ کی من مانی تفسیر نہ کی جائے:

امام بیہقی رحمہ اللہ ایک آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد فسر رسول الله ﷺ المبين عن الله عزوجل فمن بعده من الصحابة الذين اخذوا عنه والتابعين الذين اخذوا عن الصحابة رضى الله عنهم. [الاعتقاد على مذهب السلف:۵۷ طبع السلام العالمية قاهره] اس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی جنھوں نے آپ ﷺ سے حاصل کیا اور تابعین نے کی جنھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہی ترتیب سمجھائی اور ائمہ مجتہدین نے اپنے قیاس واجتہاد کو اسی ترتیب پر رکھا، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے یمن بھیجتے وقت پوچھا کہ جب تیرے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو کس طرح فیصلہ کرے گا؟ عرض کیا: کتابُ اللہ سے فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو؟ عرض کیا: پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے ذریعے فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر سنت میں نہ ملے؟ عرض کیا: اپنی رائے سے خوب سوچوں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس کی توفیق دی جو نبی کو پسند ہے۔
[جامع بیان العلم: ۲/۲۷۲، ۲۷۳ طبع دار ابن حزم بیروت]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو لکھا کہ جب تو کتابُ اللہ میں حکم پائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرلے اور کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو، اگر ایسی بات پیش آئے جو کتاب اللہ میں نہ ہو نہ سنت میں ہو اور تجھ سے پہلے اس کے بارے کسی کا قول بھی نہ ہو تو اگر اپنی رائے سے اجتہاد کرلے تو کرلے اور اگر نہ کرے اور پیچھے ہٹ جائے تو پیچھے ہٹ جا اور یہ تیرے لیے بہتر ہے۔ [جامع بیان العلم: ۲۷۳]

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اجتہاد انہی اصولوں پر قائم کرکے کیا جاسکتا ہے جن کی طرف تحلیل وتحریم منسوب ہوسکتی ہے اور یہ کہ اجتہاد وہی کرسکتا ہے جس کو یہ علوم حاصل ہوں اور جس پر کوئی مسئلہ مشکل ہوجائے اس پر توقف لازم ہے اور خوامخواہ کا ایسا قول کرکے جس کی اصل نہ ہو اور نہ اصل کے مفہوم میں داخل ہو اللہ تعالیٰ کے ذمہ بات نہ لگادے سلف وخلف کا اس پر کوئی

اختلاف نہیں ہے۔[ص ۲۷۴]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ھلاک أمتی فی الکتاب واللبن فقیل یارسول اللہ !وماالکتاب واللبن ؟قال یتعلمون القرآن ویتأولونہ علی غیرماانزلہ اللہ ویحبون اللبن ویدعون الجماعات والجمع ویبدون. [جامع بیان العلم: ۴۳۴،۴۳۵] میری امت کی ہلاکت قرآن مجید اور خواہش پرستی میں ہوگی صحابہ رضی اللہ عنہم نے وجہ پوچھی تو فرمایا قرآن مجید سیکھیں گے اور اللہ تعالی کی نازل کی ہوئی تفسیر کے برخلاف تفسیر کریں گے اور خواہش پر چلنا پسند کریں گے اور جمعیں اور جماعتیں چھوڑ دیں گے اور دیہاتوں میں رہنے لگیں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ستجدون أقواماًیدعونکم إلی کتاب اللہ، وقد نبذوہ وراء ظھورھم، فعلیکم بالعلم، وإیاکم والتبدع، وایاکم والتنطع وعلیکم بالعتیق.[ایضًا: ۴۳۵] عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو تمہیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دیں گے حالانکہ انہوں نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے کر دیا ہوگا، تمہیں علم پر چلنا لازم ہے اور بدعت نکالنے سے بچنا اور بولنے میں تکلف کرنے سے بچنا اور تم پر اسلاف کی اتباع ضروری ہے۔

یہاں امام ذہبی رحمہ اللہ کے الفاظ بھی ذکر کیے بغیر آگے جانا مناسب نہیں لگتا آپ فرماتے ہیں:

الصدیق رضی اللہ عنہ جمع الناس بعد وفاۃ نبیھم، فقال: إنکم تحدثون عن رسول اللہ ﷺ أحادیث، تختلفون فیھا، والناس بعدکم أشد اختلافاً، فلاتحدثوا عن رسول اللہ ﷺ، فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب اللہ، فاستحلوا حلالہٗ وحرموا حرامہٗ. فھٰذا المرسل یدلک أن مراد الصدیق التثبت فی الأخبار والتحری لا سد باب الروایۃ، ألاتراہ لمانزل بہ أمر الجدۃ، ولم یجدہ فی الکتاب کیف سأل عنہ فی السنۃ فلما أخبرہ الثقۃ ما اکتفیٰ حتی استظھر بثقۃ آخر ولم یقل حسبناکتاب اللہ کما تقولہ الخوارج.[تذکرۃ الحفاظ: ۹/۱،طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کرتے ہو جن میں بیان مختلف ہوتا ہے،لوگ تمہارے بعد تو اس سے زیادہ اختلاف کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان نہ کرو۔ جو پوچھے کہہ دینا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے،تو اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو۔

یہ روایت آپ کو یہ بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصود احادیث میں مضبوطی اختیار کرنا

اور خوب سوچ کرنا ہے نہ کہ روایت کا دروازہ بند کرنا ہے، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب ان کے سامنے دادی کی میراث کا مسئلہ آیا اور کتاب اللہ میں نہ پایا تو سنت میں ہونے کی کس طرح تحقیق کی ہے؟ تو جب ثقہ نے اس کی خبر دی تو اسی پر اکتفاء نہ فرمایا یہاں تک کہ دوسرے ثقہ نے تائید کی اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے **حسبنا کتاب اللہ** نہیں کہا جیسے (حدیث کے حجت ہونے کے منکر بن کر) خارجی کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إنما أخاف عليكم رجلين رجل يتأول القرآن على غير تاويله ورجل ينافس الملك على أخيه. [**جامع بيان العلم:** ۴۳۵] مجھے تمہارے متعلق دو آدمیوں کا ڈر ہے ایک وہ جو قرآن مجید کی اصل تفسیر کے برخلاف تفسیر کرے گا۔ دوسرا وہ جو اپنے بھائی کے مقابلے میں بادشاہی کی حرص کرے گا۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اهل البدع اجمع اضربوا عن السنن وتأولوا الكتاب على غير مابينت السنة فضلوا واضلوا. [**جامع بيان العلم:** ۴۳۴] سب بدعتیوں نے سنن سے اعراض کیا اور قرآن مجید کی تاویل سنت میں بیان کی ہوئی تفسیر کے خلاف کی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر آنے والا زمانہ پہلے کے زمانہ سے برا ہوگا اس طرح کہ دین کی سمجھ رکھنے والے ختم ہو جائیں گے پھر لوگ ان کا نائب نہیں پائیں گے اور کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دینی باتوں میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ [جامع بیان العلم: ۳۶۶]

حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ان السنة سبقت قياسكم فاتبعوا ولاتبتدعوا فانكم لن تضلوا مااخذ تم بالاثر. [**جامع بيان العلم:** ۳۶۸] سنت تمہارے قیاس سے پہلے مقرر ہو چکی ہے لہٰذا بس اسی کی اتباع کرو بدعات نہ نکالو کیونکہ جب تک تم نقل کے متبع رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

امام احمد بن سنان رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ او بعدہ) فرماتے ہیں:

إذا ابتدع الرجل بدعة نزعت حلاوة الحديث من قلبه. [**تذكرة الحفاظ:** ۸۰/۲، **طبع دار الكتب العلمية بيروت**] جب کوئی آدمی کوئی بھی بدعت نکالتا ہے اس کے دل سے حدیث کی مٹھاس نکال دی جاتی ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كن عالماً أومتعلماً أومحباً أومتبعاً ولاتكن الخامس فتهلك. قال: قلت

للحسن: وماالخامس؟ قال: المبتدع. [جامع بیان العلم: ۳۵] عالم بن یا طالب یا ان سے محبت کرنے والا یا ان کا متبع اور پانچواں نہ بن ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا۔حمید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ پانچویں سے کون مراد ہے؟ فرمایا بدعتی مراد ہے (کہ بدعتی نہ بن)

ضرورت نئے عقائد اور بدعات کے ایجاد کی نہیں بلکہ مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنے کی ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رحمة الله علی خلفائی ثلاث مرات، قالوا: ومن خلفاءک یارسول الله؟قال: الذین یحیون سنتی ویعلمونها عباد الله. [جامع بیان العلم: ۵۴/ طبع دار ابن حزم بیروت]

میرے خلفاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تین بار فرمایا۔تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا جو میری سنت زندہ کریں گے اور میری سنت اللہ کے بندوں کو سکھائیں گے۔

لہٰذا دین اور صحیح ایمان مقررہ شریعت کا نام ہے امت کو خصوصاً کلمہ گو آدمیوں کو تب تک راہ راست حاصل رہے گی جب تک شریعت منقولہ کے پیچھے چلتے رہیں گے امت میں مختلف گروہ اور فرقے بن گئے ہر ایک کی اپنی رائے ہے دوسروں کو اسی رائے پر لانا چاہتے ہیں حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔اگر کہا جائے کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ مسلمان کہلا کر اور مسلمان ہو کر کوئی غلط راہ پر ضد کرے تو جواب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے ہیں اس وقت عام طور پر جہالت تھی مگر اہل کتاب کے بہت سے اہل علم ایسے موجود تھے جو نبی کریم ﷺ کی آمد کی خوشخبریاں بھی دیتے اور آپ ﷺ کی صفات بھی لوگوں کو سناتے اور منتظر رہتے مگر بہت سے آپ ﷺ کی بعثت کے بعد محض ضد اور ہٹ دھرمی سے منکر ہوئے قرآن مجید ان کی ہٹ دھرمی کا گواہ ہے۔**فلما جاء هم ماعرفوا کفروا به. [البقرة]** جب ان کے پاس وہ ذات آئی جس کو جانتے بوجھتے تھے اس کا انکار کر دیا۔

ما اختلفوا إلامن بعد ماجاء هم العلم بغیاً بینهم. علم حاصل ہو چکنے کے بعد ان لوگوں نے اختلاف کیا تو باہمی ضد کی وجہ سے۔

اس قسم کی بہت سے آیات ہیں اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے **لترکبن سنن من قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع. [الجامع الصغیر: ۴۴/۲، رقم: ۷۲۲۴، طبع دار الکتب العلمية بیروت]** کہ تم لوگ بھی پچھلے لوگوں کے طریقوں پر ایسے چلو گے کہ جیسے جوتا جوتے کے اور گز گز کے برابر ہوتا ہے (پچھلوں کے بالکل مماثل ہو جاؤ گے) تو یہود و نصاریٰ کی طرح کے وہ مسلمان کہلانے والے بھی ہیں جنہوں نے حق جاننے کے باوجود ضد وہٹ دھرمی اختیار کی ہوئی ہے تاکہ ان کی مسجد باقی رہے اور مریدین ہاتھ سے نہ جائیں دوکانِ شہرت کو دھبہ نہ لگے اور خریداری میں نقصان نہ ہو۔

ہمارے اس دور میں یہود ونصاری اپنے آلہ کار لوگوں کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور اس کی تعلیمات کو مشکوک بنانے کی خاموش تحریک چلا رہے ہیں، اس تحریک کے لئے مسلمان کہلانے والے پڑھے لکھے اَن پڑھوں کو استعمال کرتے ہیں، جو اپنے کو کلمہ گو ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے کھیلتے ہیں، کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بے اعتمادی کی تحریک چلتی ہے، کبھی قرآن مجید پر حملہ ہوتا ہے تو کبھی حدیث نبوی پر اور کبھی راویانِ شریعتُ ووحی پر بد اعتمادی کی فضاء پیدا کرنے کی مذموم کوشش ہوتی ہے، منکرین حدیث بھی یہود ونصاری کے ایسے ہی آلہ کار لوگوں میں سے ہیں، جن سے کئی لوگ میدان میں آئے سر سید احمد خان، پرویز، اسلم جیراجپوری، تمنا عمادی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ایسے ہی گمراہ ملحدوں اور زندیقوں میں سے ایک جاوید احمد غامدی بھی معلوم ہوتا ہے، جس کے بہت سے نظریات کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، یہ شخص متواترات دینی اور ضروریات وبدیہیات دینی کا باطل تاویلات کے سہارے صاف انکار کرتا ہے۔

غامدی نظریات انتہائی گمراہی اور الحاد وزندیقیت ہیں:

غامدی نظریات کا جائزہ اسلاف کی عبارات میں لیتے ہیں، تو غامدی کے متعدد نظریات پر فتوی تکفیر ملتا ہے، مثلاً آسمان میں حضرت سیدنا عیسی بن مریم علیہ السلام کی زندگی اور آسمان سے اترنے، اور حضرت امام مہدی کے ظاہر ہونے اور متواتر قراآت سبعہ وغیرہ کے منکر ہیں، اور متواترات کا انکار کفر ہے۔

حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام کی حیات ونزول متواتر احادیث سے ثابت ہے:

اس بارے میں احادیث اتنی تعداد میں ہیں کہ محدثین نے اس مضمون کی احادیث کو متواتر کہا ہے، میری خواہش ہے کہ اسلاف کی جتنی عبارات مجھے ملتی ہیں انہیں نقل کروں، احادیث نزول عیسی علیہ السلام کے مختلف الفاظ سے نقل کرنے والے راوی صحابہ وغیرہم رضی اللہ عنہم تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں چند کے نام درج ذیل ہیں اور ان کی روایات حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح علیہ السلام میں درج ہیں:

(۱) ابو ہریرہ (۲) جابر بن عبد اللہ (۳) نواس بن سمعان (۴) عبد اللہ بن عمرو (۵) حذیفہ بن اسید الغفاری (۶) ثوبان (۷) مجمع بن جاریہ انصاری (۸) ابو امامہ باہلی (۹) عبد اللہ بن مسعود (۱۰) عثمان بن ابی العاص (۱۱) سمرہ بن جندب (۱۲) عبد اللہ بن عمر (۱۳) مرسل جبیر بن نفیر (۱۴) انس بن مالک (۱۵) واثلہ بن الاسقع (۱۶) عبد اللہ بن سلام (۱۷) عبد اللہ بن عباس (۱۸) اوس بن اوس ثقفی (۱۹) عمران بن حصین (۲۰) ام المؤمنین عائشہ (۲۱) سفینہ مولی رسول اللہ ﷺ (۲۲) حذیفہ بن یمان (۲۳) عبد اللہ بن مغفل (۲۴) عبد الرحمٰن بن سمرہ (۲۵) ابو سعید خدری (۲۶) عمار بن یاسر (۲۷) کیسان

بن عبداللہ (۲۸) مرسل ربیع بن انس البکری (۲۹) مرسل حسن بصری (۳۰) مرسل عروہ بن رویم (۳۱) بعض اصحاب النبی (۳۲) سلمہ بن نفیل سکونی، وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۱)......امام ابوجعفر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لتواتر الاخبار عن رسول اللہ ﷺ انه قال ينزل عيسى ابن مريم فيقتل الدجال الخ. [جامع البيان: ۵۱/۳] کہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث کہ حضرت عیسیٰؑ اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

(۲)......علامہ الامام ابی رحمہ اللہ (متوفی) شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

لابد من نزوله لتواتر الاحاديث بذلك. [نظم المتناثر للعلامه محمد بن جعفر كتاني رحمه الله: ۲۲۹] حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا یقینی ہے کیوں کہ اس بارے میں احادیث متواتر ہیں۔

(۳)......علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کا تواتر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ذكروا انّ نزولهٔ ثابت بالكتاب والسنة والإجماع ،والأحاديث فى نزوله كثيرة.[نظم المتناثر :۲۲۹] محدثین نے ذکر کیا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور ان کے نزول کے بارے میں احادیث بکثرت ہیں۔

والحاصل أن الأحاديث الواردة فى المهدى المنتظر متواترة، وكذا الواردة فى الدجال وفى نزول سيدنا عيسى ابن مريم عليهما السلام.[نظم المتناثر :۲۲۹] خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی منتظر کے بارے میں، ایسے ہی دجال کے بارے میں اور حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں منقول احادیث متواتر ہیں۔

(۴)......امام ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد تواترت الأحاديث عن رسول اللہ ﷺ أنه أخبر بنزول عيسى عليه السلام قبل يوم القيامة إماماً عادلاً وحكماً مقسطاً.[تفسير القرآن العظيم :۱۳۲/۴، ۱۳۳] رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث آئی ہیں کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے عدل کرنے والے امام انصاف کرنے والے حاکم ہو کر نزول فرمانے کی خبر دی ہے۔

(۵)......علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اجمعت الامة عليه واشهرت فيه الاخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوى

ونطق بہ الکتاب ووجب الایمان بہ.[**روح المعانی** :۳۴/۲۲] اُمت کا اس (نزول عیسٰی علیہ السلام) پر اجماع ہے اور اس بارے میں احادیث مشہور ہیں شاید کہ تواتر معنوی تک پہنچتی ہیں اور اس پر قرآن مجید ناطق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۶)......علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی فرماتے ہیں:

وقدتواترت الاحادیث بنزول عیسی حسبمااوضحناذالک فی مؤلف.

[**تفسیر فتح القدیر** :۶۱۸/۱] حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی احادیث متواتر ہیں جیسا کہ ہم نے اس کو ایک مستقل کتاب میں واضح کیا ہے۔

(۷)......علامہ محمد امین بن محمد مختار الشنقیطی (م ۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

لأن النبی ﷺ قدتواترت عنہ الاحادیث بان عیسی علیہ السلام حیّ الآن و انہ سینزل فی آخرالزمان حکماًمقسطاو لاینکرتواترالسنة بذالک اِلامکابر. [**اضوأ البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن**: ۱۳۰/۷] کیوں کہ نبی کریم ﷺ سے متواتر احادیث آئی ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس وقت زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں منصف حاکم ہوکر اتریں گے، اس بارے میں احادیث کے تواتر کا انکار کوئی ضدی ہی کرے گا۔

(۸)......علامہ شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقدتواترت الاخبارعن رسول اللہ ﷺ انہ اخبربنزول عیسی علیہ السلام قبل یوم القیامة اماماًعادلاًوحکماًمقسطاً.[**عون المعبود** :۳۱۱/۱۱] رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث آئی ہیں کہ آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قیامت سے پہلے امام عادل اور منصف حاکم ہوکر آنے کی خبر دی ہے۔

(۹)......غیر مقلد عالم جناب نواب صدیق حسن خان قنوجی فرماتے ہیں:

وقدتواترت الأحادیث بنزول عیسی علیہ السلام. [**فتح البیان**:۲۹۳/۳] حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی متواتر احادیث آئی ہیں۔

(۱۰)......غیر مقلدین کے محقق العصر جناب ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں:

وقدتواترت الأحادیث عن رسول اللہ ﷺ أنہ أخبربنزول عیسی علیہ السلام قبل یوم القیامة إماماً عادلاً وحکماً مقسطاً. [**سلسلة الأحادیث الصحیحة** :۶۳۵/۷] رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث آئی ہیں کہ آپ نے قیامت سے پہلے عیسٰی علیہ السلام کے امام عادل اور منصف حاکم ہوکر نزول کرنے کی خبر دی ہے۔

(۱۱)......علامہ محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انہ قد تواتر وانعقد الإجماع علی نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام فتأویل ھٰذہ وتحریفہٗ کفر ایضاً. وقدقال فی روح المعانی وھومن محققی المتأخرین ان من لم یقل بنزولہٖ فقد اکفرہ العلماء وھوعلی القاعدۃ فی إنکارماتواترفی الشرع. [**إکفارالملحدین**] تحقیق حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول متواتر ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے، تو اِس کی تاویل اور تحریف بھی کفر ہے، روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا (یہ متأخرین محققین میں سے ہیں فرمایا) بیشک جو نزولِ عیسی کا قائل نہیں اس کو علماء نے کافر قرار دیا یہ اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ شریعت میں جو متواتر ہو اس کا انکار کفر قرار دیا گیا۔

فقدتواترت الأحادیث عن خاتم الانبیاءﷺ بنزولہٖ علیہ السلام، وانعقد الإجماع علیہ من کافۃ الأمۃ المحمدیۃ إجماعاً بلافصل. [**عقیدۃ الإسلام :۳۳۴**] **قدتواترفی الأحادیث أنہ علیہ السلام ینزل بعدخروج الدجال.** [**ایضا:۳۵۸**] حضرت عیسی علیہ السلام کے دجال کے (آنے کے) بعد آسمان سے اترنے کی احادیث متواتر ہیں۔

متواتر احادیث سے ثابت بات کا انکار کفر ہے:

اب یہ کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ ہونے اور قیامت سے پہلے زمین پر اترنے کی احادیث متواتر ہیں تو متواتر کے انکار کا حکم کیا ہے؟

(۱)......امام ابوبکر بن ابی عاصم شیبانی (م ۲۸۷ھ) فرماتے ہیں:

والصادعن الاخبارالموجبۃ للعلم المتواترۃ کافر. [**السنۃ لابن ابی عاصم :۱۹۹**] جو احادیث علم کا سبب بنتی ہیں یعنی متواتر احادیث ان سے منہ موڑنے والا کافر ہے۔

(۲)......علامہ طاہر بن صالح الجزائری دمشقی (م ۱۳۳۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یکفر جاحدہٗ. [**توجیہ النظر :۱/۱۱۴، طبع حلب**] متواتر کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔

(۳)......حضرت ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

متواتر:فمن أنکرہ کفر،ومشھور:فمن أنکرہ کفرعند الکل إلاعند عیسی بن أبان؛ فإنہ یضلل ولایکفر وھوالصحیح. [**شرح نخبۃ الفکر :۲۳۲، دارالأرقم بیروت**] حدیث کی ایک قسم متواتر ہے جو اس کا انکار کرے کافر ہو جائے گا، اور ایک قسم مشہور ہے اس کا منکر بھی باقی سب کے نزدیک کافر ہوگا سوائے عیسی بن ابان کے کہ وہ گمراہ قرار دیتے ہیں اور کافر نہیں کہتے اور یہی قول صحیح ہے۔

اور فرماتے ہیں:

من أنکر الأخبار المتواترة کفر.... ثم اعلم أنه أراد بالتواتر ههنا التواتر المعنوی لا اللفظی.. [شرح الفقه الأکبر :۱۶۵] جو شخص متواتر احادیث کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے، اور سمجھو کہ یہاں متواتر سے مراد متواتر معنوی ہے نہ کہ متواتر لفظی۔ (اُس کا منکر تو بدرجہ اولیٰ کافر ہے۔)

(۴)......امام محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسی (۴۸۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مایکون موجباً علم الیقین فإنه یکفر جاحدهٗ کمافی المتواتر الذی یوجب العلم ضرورةً. [أصول السرخسی :۲۹۲/۱۔دار المعرفه بیروت] جو حدیث علم یقینی کا سبب ہو اُس کا منکر کافر ہو گا جیسے حدیث متواتر میں حکم ہے جو علم بدیہی کا سبب ہوتی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

یکفر جاحد ماثبت بالکتاب أو بخبر متواتر. [أصول السرخسی:۳۱۸/۱] جو بات قرآن مجید سے یا خبر متواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہو گا۔

(۵)......امام محمد بن حمزہ بن محمد شمس الدین الفناری الرومی (م ۸۳۴ھ) فرماتے ہیں:

یکفر جاحد المتواتر. [فصول البدائع فی أصول الشرائع :۲۴۳/۲] متواتر کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔

(۶)......امام بزدوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فصار منکر المتواتر ومخالفهٗ کافراً. [أصول البزدوی مع کشف الأسرار:۳۶۷/۲] تو متواتر کا منکر اور اس کا مخالف کافر ہوا۔

(۷)......حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک تواتر کی چار قسمیں ہیں اول تواتر اسناد کہ صحابہ تابعین تبع تابعین میں حدیث کو اتنی بڑی جماعت روایت کرے جس کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو یہ تواتر تواترِ محدثین ہے۔ دوم: تواتر طبقہ کہ ایک طبقہ دوسرے سے بغیر سند کے حدیث لے، قرآن مجید اِسی تواتر سے متواتر ہے۔ یہ تواتر تواتر فقہاء ہے۔ سوم: تواترِ تعامل ہے، وہ یہ کہ اُس حدیث پر اتنے عمل کرنے والے عمل کریں جن کو جھوٹا قرار دینا محال ہو، یہ تواتر دوسرے تواتر کے قریب ہے، اس تواتر کی مثال قرونِ ثلاثہ میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور چھوڑنا ہے۔ چہارم: تواترِ قدرِ مشترک وہ یہ ہے کہ بکثرت اخبار واحدہ میں ایک مضمون ذکر ہو جیسے معجزہ کا تواتر۔۔

وحکم الثلاثة الأول تکفیر جاحدهٗ، وأما الرابع فإن کان ضروریاً فکذلک، وإن

کان نظریاً فلا.[العرف الشذی شرح سنن الترمذی: ۱/۴۰] پہلی تین قسموں کا حکم یہ ہے کہ اس کا منکر کافر ہوگا لیکن چوتھی قسم کی متواتر اگر ضروری (یعنی بدیہی) ہو تو منکر کافر ہے اور اگر نظری ہو تو کافر نہیں ہے۔ (ہاں گمراہ ضال مضل ہے۔)

یاد رہے کہ اوپر علامہ کشمیری کی عبارت میں آیا ہے کہ احادیثِ نزول عیسیٰ علیہ السلام میں تاویل اور تحریف بھی کفر ہے، اُس سے معلوم ہوا کہ علامہ کشمیری کے نزدیک حیاتِ عیسیٰ ونزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث متواتر ہیں تواتر قدر مشترک کے ساتھ اور ان کا تواتر ضروری یعنی بدیہی ہے۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کا حکم:

اوپر کی بحث کا نتیجہ صغریٰ کبریٰ ملانے سے خود ظاہر ہے صغریٰ یہ ہوا ’’نزولِ عیسیٰ کی احادیث متواتر ہیں۔‘‘ کبریٰ ہوا ’’متواتر احادیث کا انکار کفر ہے۔‘‘ نتیجہ نکلا: ’’نزول عیسیٰ کا انکار کفر ہے۔‘‘ یہی اسلاف فتویٰ دیتے ہیں:

(۱)......علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وجب الإیمان بہٖ وأکفر منکرہٗ کا الفلاسفة من نزول عیسی علیه السلام فی آخر الزمان.[روح المعانی: ۲۲/۳۴] نزول عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان واجب ہے اور آخر زمانہ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر کو جیسے فلاسفہ ہیں کافر قرار دیا گیا۔

(۲)......اوپر ذکر ہوا کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انہ قد تواتر وانعقد الإجماع علی نزول عیسی ابن مریم علیه السلام فتأویل ھٰذہ وتحریفہٗ کفر أیضاً. وقد قال فی روح المعانی وھو من محققی المتأخرین ان من لم یقل بنزولہٖ فقد أکفرہ العلماء وھو علی القاعدة فی إنکار ما تواتر فی الشرع. [إکفار الملحدین] تحقیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے، تو اِس کی تاویل اور تحریف بھی کفر ہے، روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے فرمایا (یہ متأخرین محققین میں سے ہیں فرمایا) بیشک جو نزولِ عیسیٰ کا قائل نہیں اس کو علماء نے کافر قرار دیا یہ اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ شریعت میں جو متواتر ہو اس کا انکار کفر قرار دیا گیا۔

(۳)......علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) اپنے ایک مخاطب سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیلزمک علیه أحد أمرین، إما نفی نزول عیسی أو نفی النبوة عنه، وکلاھما کفر.[الحاوی للفتاوی: ۲/۱۶۶] اس کی بناء پر آپ پر دو میں سے ایک بات لازم آئے گی

یا نزول عیسی علیہ السلام کی نفی کرو یا ان کی نبوت کی نفی کرو۔ (تب نزول کے بعد ان پر وحی نہ اترنے کا قول کرو) جب کہ یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

معلوم ہوا کہ نزول عیسی علیہ السلام کا اِنکار کفر ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقد حکی فی المطامح اجماع الامة علی نزولہٖ وانکر ابن حزم ماحکاہ فی مراتب الاجماع من الخلاف فی نزولہٖ قبل یوم القیامة وقال ھذا نقل مضطرب ولم یخالف احدمن اھل الشریعة فی ذالک وانماانکرہ الفلاسفة والملاحدة. [فیض القدیر: ۵/۵۱۹] اور مطامح میں نزول عیسی علیہ السلام پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن حزم نے جو مراتب الاجماع [ص:۱۷۳] میں نزول عیسی میں اختلاف نقل کیا اُس پر نکیر کی ہے اور فرمایا کہ یہ نقل مضطرب (بے اعتبار و بے ثبوت) ہے شریعتِ محمدیہ کے ماننے والوں میں سے کسی نے نزول عیسی کے عقیدہ سے اختلاف نہیں کیا محض فلاسفہ اور ملحد لوگوں نے نزول عیسی کا انکار کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ نزول عیسی کا انکار مسلمانوں سے ثابت نہیں ملحد لوگ ہی منکر ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

(صفحہ 48 کا **بقیہ**) تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔ ہمارے مشائخ کے شیخ مولانا اسحاق صاحب نے ''مائۃ مسائل'' میں فرمایا کہ اللہ تعالی سے یوں دعا کرنا جائز ہے کہ آدمی کہے: اے اللہ! آپ اپنے واسطہ سے میری حاجت پوری فرمایا فلاں کی حرمت کے طفیل میری یہ ضرورت پوری فرما؛ دعا استفتاح میں **بحرمة الشھر الحرام والمشعر العظام وقبر نبیک علیه السلام** کے الفاظ مروی ہیں۔ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے ''تقویۃ الایمان'' میں فرمایا کہ آدمی اس طرح کہے تو جائز ہے **اللھم انی اسئلک بوسیلة فلان من الاولیاء** اے اللہ! میں فلاں ولی کے وسیلہ سے آپ کا سوال کرتا ہوں...'' [ہدیۃ المہدی: ۱/۴۷ تا ۴۹]

نزل الابرار من فقه النبی المختار:

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''**التوسل الی اللہ تعالی بانبیاء ہ والصالحین من عبادہ جائز یستوی فیه الاحیاء والاموات.** اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس کے بندے انبیاء اور صالحین کا وسیلہ دیا جائے تو جائز ہے مُردوں اور زندوں دونوں کا وسیلہ دینا جائز ہے۔ [نزل الابرار من فقہ النبی المختار: ۱/۵] ☆☆

مفتی رب نواز، احمد پور شرقیہ

علامہ وحید الزمان کی زبانی وسیلہ کا جواز

نیک لوگوں کے وسیلہ سے دعا کرنا (مثلاً یوں کہنا: یا اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما) شرعی دلائل سے ثابت ہے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مقلدین کا ایک طبقہ نہ صرف یہ کہ وسیلہ کے جواز کو نہیں مانتا بلکہ اسے ''بدعتی عمل'' تک کہہ دیتا ہے جب کہ ان کے قدیم علماء وسیلہ کے جواز کو مانتے ہیں اور اسے حدیث سے ثابت مسئلہ گردانتے ہیں۔ غیر مقلدین کے اُن قدیم علماء میں سے ایک عالم علامہ وحید الزمان صاحب ہیں جنہیں اُن کے حلقہ میں ''امام اہلِ حدیث'' کہا جاتا ہے۔

[سلفی تحقیقی جائزہ: ۹۴۵، مؤلفہ رئیس محمد ندوی]

ذیل میں وسیلہ کے جواز وثبوت پر انہی علامہ وحید الزمان صاحب کی عبارات پیش کی جاتی ہیں۔

تیسیر الباری شرح بخاری:

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عمرؓ کے کارنامے قیامت تک صفحۂ تاریخ سے مٹ نہیں سکتے، مسلمانوں کے دلوں پر ان کے احسانات کندہ ہیں، حضرت عمرؓ کے طفیل سے بہشت کا ایک کونا ہی حق تعالی مرحمت فرمادے تو ہمارا بیڑا پار ہے۔ [تیسیر الباری: ۷/۱۴۳]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اگر کوئی کاغذ پر لکھ کر اپنے ساتھ رکھے (الٰہی بحقِ حضرت خواجہ محمد صادق از شر طاعون نگاہدار) تو وہ اللہ کے فضل وکرم سے طاعون سے محفوظ رہتا ہے۔'' [تیسیر الباری: ۷/۴۹۸]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''ہم کو بڑی اُمید ہے کہ اللہ جل جلالہ امام حسن علیہ السلام کے صدقے ہم کو دوزخ اور عذاب قبر سے بچاوے گا۔ مرزا مظہر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں ایک بار ایک رافضی نے جناب امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بدگوئی کی مجھ کو غصہ آیا خنجر لے کر اس کو مارنے دوڑا وہ گر پڑا عاجزی کرنے لگا امام حسن کی طفیل معاف کرو، مجھ پر رحم کرو بمجرد (صرف) امام حسنؑ کا نام مبارک سننے کے ساتھ ہی میرا غصہ جاتا رہا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔'' [تیسیر الباری: ۷/۵۹۱]

بخاری: کتاب اللباس، باب ارداف الرجل خلف الرجل کی ایک حدیث کے تحت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ دعا میں **بحق محمدؐ و آل محمدؐ یا بحق اولیاء ک یا بحق انبیاء ک** کہنا درست ہے گو حق کا معنی یہاں وجوب کا نہیں ہے۔'' [تیسیر الباری: ۷/۶۳۰]

لغات الحدیث:

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''یا اللہ حضرت پیر و مرشد شیخ عبد القادر جیلانی کے طفیل اس کتاب کو بھی مقبول فرمادے۔''

[لغات الحدیث: ۱/۱۴۴، ج]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے وسیلہ بارگاہ پیغمبرؐ صاحب میں دو ہی شخص ہیں ایک جناب امام حسن علیہ السلام اور دوسرے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔'' [لغات الحدیث: ۱/۱۴۶، خ]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''ہم تیری بارگاہ میں عباس کا وسیلہ لاتے ہیں اُن کی سفارش پیش کرتے ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ نے استسقاء میں فرمایا حضرت عباس کا وسیلہ لیا۔'' [لغات الحدیث: ۱/۶۲، د]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اگر یوں کہے تو چنداں بے جا نہیں ہوگا **یا اللہ شیئاً بحق الشیخ عبد القادر**.''

[لغات الحدیث: ۲/۸، س]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

جب حضرت عمرؓ استسقاء کے لیے نکلے اور حضرت عباسؓ کو اپنے برابر کھڑا کر کے یہ دعا کی یا اللہ ہم تیرے پاس تیرے پیغمبر کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں یعنی اُن کے وسیلہ سے پانی برسا، حضرت عمرؓ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ پیغمبر صاحبؐ کا اب وسیلہ نہیں ہوسکتا بلکہ حضرت عباسؓ زندہ تھے اور دعا میں شریک کرانا منظور تھا اس لئے اُن کا توسل کیا'' [لغات الحدیث: ۲/۱۲، س]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اللھم بمحمدك نبيك و بموسیٰ نجيك **یا اللہ!** حضرت محمدؐ کے طفیل سے جو تیرے پیغمبرؐ ہیں اور حضرت موسیٰ کے وسیلہ سے جن سے تو نے باتیں کیں۔ اس حدیث سے توسل بالاموات کا جواز ثابت ہوتا

ہے اور جنہوں نے اس کو ناجائز کہا ہے، انہوں نے اس حدیث پر توجہ نہیں کی۔‘‘ [لغات الحدیث: ۴/۲۷، ن]

رفع العجاجة عن سنن ابن ماجه:

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

’’اس حدیث سے یہ بھی نکلا کہ کسی بزرگ کے حق میں وسیلہ سے دعا مانگنا درست ہے اور بہت سی حدیثوں میں حق کا لفظ وارد ہے پس جس فقیہ نے اس لفظ کو مکروہ جانا ہے اِس کو ان حدیثوں کی خبر نہیں ہوئی۔‘‘ [رفع العجاجہ عن سنن ابن ماجہ: ۱/۳۹۹]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

’’یا اللہ تو اپنے فضل وکرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر کر اور اپنے نیک بندوں کی طفیل سے ہم بُروں اور روسیاہوں کی بھی مغفرت کر۔‘‘ [رفع العجاجہ عن سنن ابن ماجہ: ۱/۴۰۹]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

’’صحابہ کرام استسقاء میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لیتے اور حضرت عمرؓ نے آپ کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ آپ کے چچا کا وسیلہ لیا اب بھی جو اہلِ صلاح اور تقوی ہوں ان کا توسل استسقاء میں بہتر ہے۔‘‘ [رفع العجاجہ عن سنن ابن ماجہ: ۱/۶۲۸]

وحید الزمان صاحب وسیلہ کے متعلق سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

’’شیخ عابد سندھی مدنی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے توسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جائز ہونا نکلتا ہے اور یہ عام ہے آپؐ کی حیات میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد اور بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ توسل جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی وفات کے بعد توسل کیا آپؐ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں تو جیسے توسل پہلے جائز تھا اب بھی جائز ہوگا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کلام سے اس کا عدم جواز نہیں نکلتا، بلکہ ان کا مقصود زندوں سے توسل کرنا تھا۔

اور دلیل ہماری وہ روایت ہے جو طبرانی نے نکالی کبیر میں عثمان بن حنیف سے کہ......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک اندھا شخص آیا اور اپنی بینائی کا شکوہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو صبر کرتا ہے۔؟ وہ بولا میرا کوئی لے چلنے والا بھی نہیں ہے اور، مجھے بہت تکلیف ہے۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا اچھا تو وضو کے مقام پر جا اور وضو کر پھر دو رکعت پڑھ پھر یہی دعا **(اللهم انی اسئلک واتوجه الیک بنبینا محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک**

الی ربک فتقضی حاجتی) آپ نے اس کو سکھائی۔ ابن حنیف نے کہا قسم ہے خدا کی پھر ہم جدا نہیں ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں وہی نابینا شخص ہمارے پاس آیا گویا اس کی بینائی میں کچھ خلل بھی نہ تھا۔

اور امام بیہقی نے اس حدیث کو کئی طریقوں سے نکالا ہے اور طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں، اور اس کی اسناد میں روح بن صلاح ہے ثقہ کہا اس کو ابن حبان اور حاکم نے اور اس میں کچھ ضعف ہے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' [رفع العجاجه عن سنن ابن ماجه: ۶۸۴/۱]

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء اور صلحاء کا واسطہ اور وسیلہ البتہ کر سکتے ہیں جیسے کوئی یوں کہے: یااللہ! بحق حضرت محمدؐ کے یا وسیلہ حضرت محمدؐ مجھ کو شفاء عطا فرما۔ یہ ہمارے نزدیک درست ہے اگرچہ بعض لوگوں کو اس میں کلام ہو۔'' [رفع العجاجه عن سنن ابن ماجه: ۶۸۵/۱]

هدية المهدى من الفقه المحمدى:

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لئے انبیاء اور صالحین کو وسیلہ بنانا ایک اختلافی مسئلہ ہے، بعض اس کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، بعض زندوں سے وسیلہ کو جائز اور مُردوں سے ناجائز سمجھتے ہیں، بعض کا قول مطلقاً جواز کا ہے اور بعض صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز کے قائل ہیں، یہ آخری قول ابن عبدالسلام کا ہے اور مروزی نے ''المنسك'' میں امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے تھے، علامہ ابن قیم نے دوسرا قول اختیار کیا ہے یعنی (زندوں سے جواز اور مردوں سے عدم جواز کا) اور ان کے شیخ (ابن تیمیہ) سے دو روایتیں ہیں ...اور علامہ سبکی، شوکانی اور ہمارے سید (نواب صدیق حسن خان) نے تیسرا قول (یعنی مطلقاً جواز) اختیار کیا ہے اور یہی قول مختار ہے اس لئے کہ جب غیر اللہ سے توسل کا جواز ثابت ہو گیا تو پھر وہ کون سی دلیل ہے جس سے اس کو صرف زندوں کے ساتھ مختص کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے توسل سے ممانعت پر دلالت کرتی ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا میں لوگوں کے ساتھ ان کو شریک کیا تھا جب کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اسی طرح شہداء اور صالحین بھی زندہ ہیں۔ ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ پر بہت سی چیزوں کا دعوی کیا لیکن ان میں سوائے اس کے کچھ ثابت نہ کر سکے کہ شیخ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت بمعنی عبادت جائز نہیں ہے، ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

حضرت عثمان بن حنیف نے اپنے پاس آنے والے ایک آدمی کو دعا سکھائی جس میں ہے **اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد نبی الرحمۃ** ...(یعنی اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے) یہ حدیث امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

پتہ نہیں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ اللہ کی قربت کے حصول کے لئے اگر اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا قرآن اور سنت کی نصوص سے ثابت ہے تو اس پر صالحین کے توسل کو قیاس کیوں نہیں کرلیا جاتا۔علامہ جزری ''آداب دعاء'' کے ذکر میں فرماتے ہیں: ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ انبیاء اور صالحین کو اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ بنایا جائے اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ **یامحمد انی اتوجہ بک الی ربی** اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔نواب صدیق حسن خان نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حدیث دعا میں آیا ہے **اللھم بمحمد نبیک وبموسیٰ نجیک** (اے اللہ! آپ کے نبی محمد اور آپ سے سرگوشی اور کلام کرنے والے موسیٰ کے وسیلہ) ابن الاثیر نے النہایۃ میں اور علامہ طاہر پٹنی نے دعاء آدم کی حدیث نقل کی ہے جس میں ہے **یارب اسئلک بحق محمد** (اے میرے رب! محمد کے حق کے طفیل میں آپ سے سوال کرتا ہوں) یہی حدیث ابن المنذر نے نقل کی ہے اس میں ہے **اللھم انی اسئلک بجاہ محمد عندک وکرامتہ علیک** (اے اللہ! تیرے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام ومرتبہ ہے عزت واکرام ہے اس کے وسیلہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔) علامہ سبکی نے فرمایا کہ توسل، استغاثہ اور تشفع (شفاعت وسفارش) اچھا ہے، قسطلانی نے مزید کہا: تضرع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اللہ کی طرف توجہ اور تجوہ (بجاہ النبی کہنا) بہتر ہے، سلف اور خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، یہاں تک کہ ابن تیمیہ آئے اور انہوں نے اس کا انکار کردیا۔ ہمارے اصحاب میں علامہ شوکانی نے فرمایا کہ توسل کے جواز کو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کردینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جیسا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کا خیال ہے اہل علم اور اہل فضل کو اللہ کی طرف وسیلہ بنانا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا ہے۔ایک اور جگہ فرماتے ہیں: کسی نبی، یا کسی ولی کو وسیلہ بنانے اسی طرح کسی عالم کو وسیلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کوئی شخص قبر کی زیارت کے لئے آکر صرف اللہ سے دعا کرے اور مردے کو وسیلہ بنائے اور کہے کہ: اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس مرض سے شفا مل جائے اور میں اس نیک بندے کو آپ کی طرف وسیلہ پکڑتا ہوں۔ (بقیہ صفحہ 43 پر)

انجم نیازی

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

اُحد میں اسلام کا پرچم سنبھالا آپؓ نے
دشمنوں کا سخت گھیرا توڑ ڈالا آپؓ نے
کھلبلی سی مچ گئی تھی لشکرِ کفار میں
پڑگئیں کتنی دراڑیں دامنِ کہسار میں
ہر طرف اُڑتا تھا دشمن کا لہو مثلِ غبار
ناچتا تھا آپؓ کے ہر سو شہادت کا خمار
دیکھنے والوں نے دیکھیں آپ کی سرمستیاں
آپ کے چاروں طرف دشمن کی سو سو برچھیاں
آپؓ ہم شکلِ نبیؐ تھے آپؓ ہمرازِ نبیؐ
آپؓ کی آنکھوں میں تھی کون و مکاں کی روشنی
آپ کو دیکھا تو سب بے دین دھوکا کھا گئے
سب یہی سمجھے کہ نرغے میں پیمبرؐ آگئے
دیر تک دونوں طرف سے معرکہ ہوتا رہا
موت کے گھر میں دھماکہ زور کا ہوتا رہا
ایک حد تک ٹھہرتی ہے آہنی دیوار بھی
سست پڑجاتی ہے آخر وقت کی رفتار بھی
آپؓ قرباں ہوگئے خیرالبشرؐ کے نام پر
اِک ستارہ جل بجھا اُجلی سحر کے نام پر

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

صداقت کی زباں حفصہؓ، ذکاوت کا جہاں حفصہؓ
شرافت کا بیاں حفصہؓ، سخاوت کا نشاں حفصہؓ
ہیں سب غوث و قطب ابدال تیرے مدح خواں حفصہؓ
فرشتے بھی تری مدحت میں ہیں رطب اللساں حفصہؓ
ملی تھی حق نوائی اور غیرت جس کو ورثہ میں
وہ حق کی داستاں حفصہؓ، وہ سچ کی ترجماں حفصہؓ
نبیِ پاک ﷺ کی زوجہ، عمر فاروقؓ کی دُختر
ملی ہیں نسبتیں کیا کیا، مبارک امی جان حفصہؓ
رفاقت سیدِ کونین کی بخشی تجھے رب نے
تری تقدیر پر نازاں زمین و آسماں حفصہؓ
مثالی زہد اور تقویٰ، مسلّم فہم و علمیت
علوم و معرفت کا اِک مہکتا گلستاں حفصہؓ
بھتیجی زیدؓ کی، بھانجی جنابِ ابن مظعونؓ کی
ہے عبداللہؓ کی بہنا، عجب ہے تیری شاں حفصہؓ
تجھے قوّامہ، صوّامہ کہا جبریل نے آکر
عبادت میں، ریاضت میں کوئی تجھ سا کہاں حفصہؓ
خواتینِ زمانہ کیسے تیری ہمسری کرتیں
کہ تیرے سر کا زرّیں تاج ہے شاہِ زماں حفصہؓ
دیارِ خلقِ احسن سے معطر گلشنِ ہستی
بہارِ حسنِ سیرت سے مزین کہکشاں حفصہؓ
تجھے نسلِ سبا کے غوغا ہائے بد کی کیا پروا
کہ رب لم یزل ہے خود ہی تیرا پاسباں حفصہؓ
تری تقدیس پر قربان کرنے کو جہاں بھر میں
یہ عباسیؔ ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے جاں حفصہؓ